حصہ اوّل

خُطباتِ دہلی

اور

تعارف و تبصرہ

مفسرِ قرآن

مولانا اخلاق حسین قاسمی

ناشر ادارہ

رحمتِ عالم شیخ چاند اسٹریٹ لال کنواں دہلی

خطباتِ دہلی

اور

تعارف و تبصرہ

مولانا
اخلاق حسین صاحب قاسمی

سابق ناظم جمعیۃ علمائے ہند
مہتمم مرکز شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح

مکتبہ رحمتِ عالم ۔ شیخ چاند لال کنوان دہلی

۲

فہرستِ خطبات

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

حفظ قرآن سنہ ۱۹۳۰ء	قاری فضل الدین صاحب مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی حافظ ضیاء الدین صاحب سادہ کار لال کنواں دہلی
عربی تعلیم تا جلالین شریف ۳۴ء تا ۳۹ء	مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی
تکمیل مشکوٰۃ شریف و بیضاوی شریف تا دورۂ حدیث شریف ۴۰ء تا ۴۱ء	دار العلوم دیوبند، شیخ الحدیث مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، مہتمم و استاذ حدیث مولانا محمد طیب صاحب
دورۂ تفسیر قرآن ۴۲ء	مولانا احمد علی صاحب لاہوری انجمن خدام الدین لاہور رفیق کار: مولانا عبید اللہ سندھی
تربیت ترجمہ و تفسیر قرآن ۴۲ء دوران تصنیف تفسیر کشف الرحمٰن	سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب مصنف تفسیر کشف الرحمٰن
آغاز درس تفسیر صباحی ۴۲ء	لال مسجد لال کنواں دہلی، بافتتاح مولانا احمد سعید صاحب مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی مولانا احمد علی صاحب لاہوری
دلی ایڈمنسٹریشن کی طرف سے "قرآن پرستی کی آگ" نامی کتابچوں پر دفعہ ۱۵۳ الف کے چار مقدمات قائم کیے گئے جو (۶۸ء تا ۱۹۸۰ء) بارہ سال تک چلتے رہے	
آغاز درس تفسیر شبینہ ۴۲ء	کھجور والی مسجد ترا بابہرام خان، بافتتاح مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی و مولانا عبد الحنان صاحب ہزاروی آسودۂ رحمت احاطہ مولانا سید احمد صاحب بریلوی بالاکوٹ
سلسلہ وعظ و خطابت ۴۵ء تدریس و تعلیم حدیث و تفسیر مدرسہ حسین بخش دہلی	مدرسہ حسین بخش دہلی (بعد از مولانا عبد الشکور صاحب دیوبندی مہاجر مدنی)
صدارت جمعیۃ علماء صوبہ دہلی ۴۶ء	
نظامت جمعیۃ علماء ہند ۵۰ء	
درس تفسیر و اہتمام جامعہ رحیمیہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۸۲ء تا ۸۶ء	بہدایت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی
درس تفسیر جمعہ وار نومبر ۸۹ء	مسجد سید رفاعی پنچ پیر قبر دہلی
تصنیفات و تالیفات	علمی تاریخی اور تفسیری کتابیں تعداد ۲۵ تبلیغی کتابچے 〃 ۲۵ تحقیقی مقالات 〃 ۴۵

تاثرات حضرت مولانا محمد طیب صاحب

قدرت نے مولانا اخلاق حسین قاسمی کو تقریر و خطابت کے ساتھ تحریر و انشاء کی مخصوص صلاحیت سے بھی پوری طرح نوازا ہے، موصوف علمی تحقیق اور واعظانہ رنگ دونوں میدانوں کے شہسوار ہیں۔

محمد طیب غفرلہٗ ۵ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ

۱۳ر نومبر ۱۹۸۹ء

عبدیّت کاملہ
حضورؐ کا منصب خاص

یوں تو خدا تعالیٰ نے اپنے تمام رسولوں کو عبدیت کی صفت سے یاد کیا ہے، لیکن رسولِ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو جس انداز سے عَبْد کہہ کر پکارا ہے وہ انداز یہ بتا رہا ہے کہ صفتِ عبدیت آپؐ کا خصوصی وصف اور ممتاز منصب ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکار کے جتنے اہم مواقع قرآن کریم میں موجود ہیں ان تمام موقعوں پر خداوند عالم نے آپؐ کو عبدیت کی صفت سے ہی یاد فرمایا ہے۔

(۱) الفرقان یعنی قرآن کریم کے نزول کا ذکر کیا تو عَلٰی عَبْدِہٖ — فرمایا۔

(الفرقان نمبر ۱)

(۲) سفرِ اسراء و معراج کا ذکر کیا تو — بِعَبْدِہٖ — کہہ کر اس داستانِ حقیقت کو بیان کیا۔ (سورہ اسراء نمبر ۱)

(۳) آیاتِ بیّنات اور معجزات کا ذکر کیا تو — عَلٰی عَبْدِہٖ — فرمایا

(الحدید : ۹)

(۴) آپؐ کی عبادت کا ذکر کیا تو — لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ — فرمایا۔

(الجن : ۱۹)

(۵) معراج کے موقعہ پر جو رازدارانہ ہمکلامی ہوئی اس میں — فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی — فرمایا۔ (النجم ۱۰)

(۶) دشمنوں کے مقابلہ میں اپنی غیبی امداد کا اعلان اسی وصف خاص کے ساتھ کیا۔

— اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ — (الزمر : ۳۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی صفتِ عبدیت کے ساتھ اپنی نبوت کا اقرار کرایا
اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ؒ نے جدید علم کلام کی اپنی مشہور کتاب "آبِ حیات" میں لکھا ہے کہ عبدیتِ مطلقہ (عبدیتِ کاملہ) حضور اکرم کا منصبِ خاص ہے اور اس منصب میں حضرت عیسٰی علیہ السلام آپؐ کے نائب ہیں۔

حضرت نانوتوی کے اس نظریہ کی روشنی میں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کا گہرا مطالعہ اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ عبدیتِ نبویؐ کا وصف چند حقائق کا اعلان کرتا ہے:-

(۱) عبدیت —— اخلاقی نقطہ نظر سے آپ کی تواضع اور کسرِ نفسی کا اظہار ہے

(۲) عبدیت —— دینی نقطہ نظر سے تکمیل دین کا اعلان

(۳) عبدیت —— سیاسی نقطۂ نگاہ سے شورائی خلافت کے آغاز کا اعلان ہے۔

(۴) عبدیت —— علامہ اقبال کی عارفانہ نکتہ آفرینی میں حضور کے لئے کمالِ محبوبیت کا اعلان ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت تواضع اور کسرِ نفسی کے مفہوم میں آپ کی پوری اخلاقی زندگی میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

اس موقع پر اس کی تفصیل میں نہیں جانا۔

اسی طرح عبدیتِ کاملہ سے تکمیلِ دین کا مفہوم بھی واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ عبدِ کامل یعنی کامل فرمانبردار وہی ہو سکتا ہے جس کے پاس عبادت و عبودیت کے کامل احکام و فرمان موجود ہوں۔

اور آپؐ کے پاس خدا کا آخری اور مکمل دین موجود تھا، جس کی تعمیل نے آپؐ کے اسوۂ حسنہ کو انسانوں کے لئے زندگی گذارنے کا مکمل نمونہ بنا دیا۔

اسی وصفِ خاص کو قرآن کریم نے —— اوّل المؤمنین —— کے لقب سے پیش کیا ہے۔ اور شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی کے ترجمہ کے مطابق اوّلیت سے اوّلیت رتبی (مرتبہ کی اوّلیت و فضیلت) کی طرف اشارہ ہے۔

دوسرے علمائے تفسیر نے اوّلیت سے اوّلیتِ زمانی مراد لی ہے۔

عبدیت کی مذکورہ چار تفسیروں میں بعد کی دو تفسیریں زیادہ غور طلب ہیں۔ آیئے

ان پر غور کریں۔

عبدیت کا سیاسی پہلو

عبدیت سے سیاسی نظام اسلامی کی شورائیت پر استدلال مشہور فلسفی مفسر امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) نے کیا اور پھر امام کے بعد حافظ ابن کثیر دمشقی (م رنی ۷۷۴ھ) نے اس کی مزید وضاحت کی۔ اس استدلال کی بنیاد حضرت سلیمان علیہ السلام کی مشہور دعا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس دعا کی قبولیت کے الفاظ ربانی ہیں:

حضرت سلیمان کی دعا یہ ہے:-

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

(ترجمہ) اے پروردگار! معاف فرما، مجھے ایسی سلطنت دے جو میرے بعد (یا میرے سوا) کسی کے لائق نہ ہو۔ بے شک تو اصل داتا ہے۔

حضرت سلیمان کی یہ دعا اس شکل میں قبول ہوئی کہ ہوائیں اور جنات ان کے تابع فرمان کر دیئے گئے۔

پھر اس عظیم سلطنت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت حق تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام سے فرمایا:

هٰذَا عَطَاۤؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ

(ترجمہ) یہ ہماری خاص عطاء و انعام ہے۔ اے سلیمان! اسے دو یا روک کر رکھو، تم پر کوئی گرفت نہیں۔

محقق ابن کثیر نے اس کی تفسیر میں یہ عبارت تحریر کی،

اى هذا الذى اعطيناك من الملك التام والسلطان الكامل كما سألتنا فاعط من شئت و احرم من شئت فهو صواب۔

(ترجمہ) اے سلیمان! یہ مکمل اقتدار اور کامل سلطنت ہم نے تم کو عطاء کی جیسا کہ تم نے سوال کیا تھا۔ پس جس کو چاہو دو، جس کو چاہو محروم کر دو، تم پر کوئی دار و گیر نہیں، یعنی تم جو بھی کرو، وہ تمہارے لئے جائز ہے اور تم جو فیصلہ کرو وہ درست ہے۔

اس کے بعد صحیحین کی حدیث نقل کرتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما خیر بین ان یکون عبدا رسولا وھو الذی یفعل ما یعد بہ وانما ھو قاسم یقسم بین الناس کما امرہ اللہ تعالیٰ بہ وبین ان یکون نبیاً ملکاً یعطی من یشا ویمنع من یشا ، بلا حساب ولا جناح (ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۹)

ترجمہ) خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو اختیار دیا کہ وہ عبد رسول کا مقام اختیار کریں یا عبد ملک کا عبد رسول وہ ہے جو حکم الٰہی کے مطابق چلے اور لوگوں کے درمیان —— علم و دولت —— تقسیم کرے ، حکم الٰہی کے مطابق ۔ عبد ملک وہ ہے جو جس کو چاہے دے اور جسے چاہے نہ دے اس پر نہ کوئی حساب کتاب ہے اور نہ دار و گیر ہے ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا منصب اختیار کر لیا ۔

اس کے بعد ابن کثیر فیصلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

پہلا مقام —— عبدیت والی رسالت —— خدا کے نزدیک ارفع و اعلیٰ ہے اگرچہ دوسرا مقام —— ملوکیت والی رسالت —— بھی دنیا اور آخرت میں عظیم المرتبت ہے ——

علامہ ابن کثیر نے یہ بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مختار بادشاہی کے مقابلہ میں نیابت الٰہیہ کا منصب اختیار کیا ۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ تھے ، حکم الٰہی کے تحت آپ اپنے رفقاء سے مشورہ لینے کے لئے مامور تھے —— وشاورھم فی الامر ——

مشورہ اور شوریٰ کی اہمیت قرآن کریم کی تعلیمات کی خصوصیات میں داخل ہے ، کسی آسمانی کتاب میں اس کی اہمیت موجود نہیں ۔ اور نہ کسی پیغمبر کی زندگی کے واقعات میں مشورہ کی اتنی اہمیت نظر آتی ہے ——

اس تفسیر پر اشکال

علامہ ابن کثیر اور امام رازی کی اس تفسیر پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا اور اس کے جواب سے تو کافی خود مختاری کا جواز —— بلکہ فضیلت بھی —— ثابت ہوتی ہے ۔ حالانکہ دین توحید

—— جو تمام رسولوں کا دین تھا —— کسی انسان کی خود مختاری کو اور بااختیار ملوکیت کے تصوّر کو توحید کے منافی قرار دیتا ہے۔

اس دنیا میں ہر انسان، خواہ وہ حکمران ہو یا ایک عام آدمی —— مالک حقیقی کی عطا کی ہوئی دولت علم و زر کا امین ہے۔ نگران ہے، مالک نہیں۔

ملکیت کا تصور —— قارونی تصور ہے جو اس نے حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں پیش کیا تھا۔ احسن کما احسن اللہ علیک —— کے جواب میں کہتا ہے —— انما اوتیتہٗ علی علم عندی —— یہ دولت و اقتدار میرے علم و ہنر کا ثمرہ ہے، کسی کا احسان نہیں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت آدم سے لے کر، حضرت یوسف، طالوت حضرت داؤد و سلیمان —— سب خدا کے مقرر کردہ تھے، روحانی اور اخلاقی رہنمائی اور اجتماعی اور سیاسی قیادت پر مامور کئے گئے تھے۔

حضور علیہ السلام بھی مالک حقیقی کی طرف سے مامور و مقرر ہوئے۔ چونکہ آپ آخری مامور من اللہ تھے اور آپ کے بعد خدا کی طرف سے تقرر و ماموریت کا سلسلہ ختم ہو رہا تھا۔ اس لئے اب شوریٰ کی اہمیت لازمی تھی۔

چنانچہ آپ نے اپنے بعد اپنے جانشین کے انتخاب کا معاملہ شوریٰ کے سپرد کر دیا۔ کیونکہ آپ کو اپنی طرف سے تقرر کا حق نہیں دیا گیا تھا —— اس طرح اب مکمل معنیٰ میں شوریٰ کے دور کا آغاز ہوا،

ان قدمائے مفسرین کی تشریح کے مطابق بعد کے علمار تفسیر نے بھی اسی کے مطابق تفسیر کی اور یہ اشکال اور زیادہ واضح ہو گیا۔

مولانا اشرف علی تھانوی کے الفاظ یہ ہیں :-

"دوسرے سلاطین مال و دولت کے محض امین و خازن ہوتے ہیں لیکن حضرت سلیمانؑ کو اس مال و دولت کا مالک بنایا گیا۔ (بیان القرآن سورہ ص)

مفتی محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن میں اس اشکال کو محسوس کیا اور ان الفاظ میں اس کی وضاحت فرمائی۔

"عام حالات میں سیاسی اقتدار اور مال و دولت کی ایسی طلب کو پسندیدہ نہیں کہا گیا۔

حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے لیکن اگر اقتدار کا مقصد حق کی سربلندی ہو تو یہ دعا مطلوب حق بن جاتی ہے۔" (خلاصہ معارف جلد ۷، صہ ۵۱۹)

مولانا شبیر احمد عثمانی کے ہاں اس کا تسلی بخش جواب ملتا ہے۔ مولانا نے لکھا:

"حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ جابر بادشاہوں کا زمانہ تھا، آپ نے دینِ حق کی سربلندی کے لیے یہ معجزہ طلب کیا اور ایسی حکومت کی دعا کی جو جابر بادشاہوں کا سرِ غرور جھکا دے ـــــ اور ایسا ہی ہوا۔" (حمائل ۵۱۱)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی نے اپنے مختصر تفسیری حاشیہ میں اسی اشکال کو دور کرنے کے لیے یہ لکھا۔

"یہ اور مہربانی کی کہ اتنی دنیا دی اور مختار کر دیا، معاف کر کر، لیکن وہ کھاتے تھے اپنی ہاتھ کی محنت سے ٹوکری بنا کر۔" (س ۳۹ پ آیت پر حاشیہ)

شاہ صاحب نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہر معجزہ ایک آزمائش بھی ہوتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خوش حالی کے فتنہ اور تمول کی آزمائش سے بچنے کے لیے ایک مزدور بندہ کی طرح ذاتی زندگی گذاری۔

آپ فرمایا کرتے تھے: هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ـــــ یہ میرے رب کا فضل و کرم ہے۔ وہ مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ میں شکر گزاری کی زندگی گذارتا ہوں یا ناشکری کی زندگی ـــــ

مودودی صاحب کی تاویل

بہر حال اب زیرِ غور مسئلہ کی طرف آئیے ـــــ زیرِ غور آیات کی جو تفسیر جمہور مفسرین نے کی ہے۔ مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودی اس سے مطمئن نظر نہیں آتے مودودی صاحب نے دعا سلیمان کی جو تاویل کی وہ حسب ذیل ہے:

"ان کے دل میں (حضرت سلیمان کے) غالباً یہ خواہش تھی کہ ان کے بعد ان کا بیٹا جانشین ہو اور حکومت انہی کی نسل میں رہے ـــــ لیکن جس بیٹے کو وہ اپنی کرسی پر بٹھانا چاہتے تھے وہ کندہ ناتراش تھا ـــــ جس کا رجعام نام تھا۔ تب انہوں نے اس خواہش سے رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ کر درخواست کی کہ بس یہ بادشاہی مجھی پر ختم ہو جائے۔ میں اپنے بعد اپنی نسل میں

بادشاہی جاری رہنے کی تمنا سے باز آیا (مختصر تفہیم القرآن ص ۷۸۱)

آیئے اس تاویل کا تجزیہ کریں۔

(۱) سب سے پہلے قرآنی الفاظ اور سیاق و سباق لیجیے۔

قرآن کریم میں لاینبغی لاحد من بعدی کے الفاظ عام ہیں اگر حضرت سلیمان اپنے بیٹے کے لئے یہ دعا، — جو درحقیقت بددعا ہے — کرنا چاہتے تھے تو اس کا جواب واضح طور پر یہ ہوتا کہ اے سلیمان! ہم نے تمہاری دعا قبول کی اور یہ عظیم سلطنت تم پر ختم ہو جائیگی

لیکن قرآن کریم کا جواب دوسرا ہے — ھذا عطاؤنا..... الخ

اللہ تعالےٰ نے وہ دعا سلیمان کی زندگی میں ہی قبول فرمائی — اور اسے اپنا خاص عطیہ قرار دیا۔

(۲) حدیث صحیح میں آتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کو گرفتار کرنے سے گریز کیا، جبکہ وہ ایک رات حضورؐ کی نماز میں خلل ڈالنے کی کوشش کرنے لگا۔ صبح اٹھ کر آپؐ نے فرمایا

رات کو ایسا واقعہ پیش آیا، میں شیطان کو پکڑ کر باندھ دیتا مگر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا — رب ھب لی ملکاً.... الخ — یاد آگئی۔

فذکرت دعوۃ اخی سلیمان — اور میں نے شیطان کو چھوڑ دیا۔

(بخاری کتاب الانبیاء)

حضورؐ کا مطلب یہ تھا کہ جنات اور شیاطین پر قدرت، یہ حضرت سلیمان کی خاص فضیلت تھی۔ جس کی انہوں نے اس دعا میں طلب کی تھی۔ میں بطور معجزہ شیطان کو پکڑ سکتا تھا۔ لیکن لوگوں کو میرے اس جزوی واقعہ سے غلط فہمی پیدا ہوتی، اس لئے میں نے ایسا نہیں کیا۔

.... اس سے دعا سلیمان کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت سلیمان زندگی میں ایک مثالی اقتدار کے حامل ہوئے۔ —

مودودی صاحب نے بائبل کے حوالے سے یہ تاویل کی ہے۔ لیکن توراۃ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ حضرت سلیمان کے بعد ان کا بیٹا جانشین ہوا۔

"سو ساری مدت کہ سلیمان نے یروشلم پر حکومت کی چالیس برس کی تھی اور سلیمان اپنے باپ دادا کے ساتھ سو رہا اور ان کے شہر صیہون میں گاڑ دیا گیا اور اس کا بیٹا

دجعام اس کی جگہ بادشاہ ہوا۔"

(قصص القرآن جلد ۴ صٓ ۲۷ بحوالہ سلاطین باب، آیات ۴۲-۴۳)

اللہ عزّ وجل رحمت کرے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو، مرحوم اس تاویل میں بہت آگے نکل گئے۔ لیکن جہاں تک اس تاویل کے منشاء و محرک کا سوال ہے تو وہ نہایت پاکیزہ ہے اور وہ عقیدۂ توحید کی حفاظت کا جذبہ ہے۔

ایک خالص توحیدی ذوق پر یہ تصوّر گراں گزرتا ہے کہ ایک داعیٔ توحید نبی و رسول اپنے لیے ملوکانہ اقتدار کا سوال کرے اور خدا تعالیٰ اسے وہ عطا بھی فرما دے۔

مودودی صاحب کے ذوق نے معجزہ کے طور پر بھی اسے تسلیم نہیں کیا۔

اسے زبردست احتیاط پسندی کہنا چاہیے ــــــ

یہ بحث ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں بھی ملتی ہے۔ آپؐ کے لیے قرآن کریم نے کہا ــــ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم (احزاب ۶)۔ اس آیت میں اہل ایمان کی جانوں پر رسول پاکؐ کی ولایت کا اعلان کیا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ نے اولیٰ کا ترجمہ متصرّف کیا ہے ــــ پھر اس مفہوم کی بنیاد پر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحؒ نے آبِ حیات میں حضوؐر کی مالکیت کا مستقل فلسفہ مرتب کیا اور آپؐ کے لیے دوسرے درجہ کی مالکیت کی اصطلاح وضع کی اور پھر یہی تصوّر زیادہ پھیل کر ایک طبقہ کے ہاں حضورؐ کے مالک و مختار ہونے کے عقیدہ میں ڈھل گیا۔

لیکن شاہ ولی اللہ صاحب کے دوسرے صاحبزادوں نے ایہام شرک سے آیت کے مفہوم کو بچانے کے لئے۔ متصرّف کے لفظ سے گریز کیا،

شاہ رفیع الدین صاحب نے اولیٰ کا ترجمہ شفقت (محبت) کیا اور شاہ عبد القادر صاحب نے ــــ لگاؤ ــــ ترجمہ کیا۔

لغت عربی میں ولادیت کا یہ مفہوم بھی آتا ہے ــــ

شاہ عبد القادر صاحب نے تفسیری حاشیہ میں اپنے والد کے لفظ متصرف کا مطلب واضح کرتے ہوئے لکھا ــــ

"نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان و مال میں اپنا تصرف نہیں چلتا، جتنا نبی کا کا چلتا ہے۔"

یعنی نبی کا تصرّف نائب خدا کی حیثیت سے ہے اور نائب کا تصرّف مالکِ حقیقی ہی کا تصرّف ہوتا ہے۔ اسی کے حکم کے تحت ہوتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے اولیٰ کا تیسرا مفہوم اختیار کیا اور اولیٰ بمعنی ترجمہ میں "مقدّم" کا لفظ لکھا — اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے تھانوی صاحب کی پیروی اختیار کی اور لفظ مقدّم کے مطابق ترجمہ کیا۔

عبدیتِ رسولؐ، علامہ اقبال کے ہاں !!

علامہ اقبالؒ نے عبدیتِ رسولؐ کی تشریح ایک عارفانہ پیرایہ میں کی ہے، فرماتے ہیں:

عبدِ دیگر، عبدہٗ چیزے دِگر   ما سراپا انتظار، او منتظر !!

شراح اقبالیات نے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ ہماری عبدیت یہ ہے کہ ہم سراپا طلب ہیں اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سراپا مطلوب ہیں۔

علامہ نے شریعت کی ایک خاص اصطلاح کو عشق و محبّت کی جس تعبیر میں بیان کیا ہے اس پر بڑی دلچسپ بحث چھڑ سکتی ہے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت علی اور حضرت عمر کے درمیان کون افضل ہے۔ شاہ صاحب بڑے حاضر جواب اور ذہین تھے۔ آپ نے عقلی اور نقلی — دونوں قسم کی دلیلوں سے دامن بچا کر محبّت کی اصطلاح میں جواب دیا۔ اور فرمایا:

"حضرت علی مرید تھے اور حضرت عمر مراد تھے"۔

یعنی حضرتِ علی طالب تھے خود حق کی طرف آئے اور حضرت عمر مطلوب تھے انہیں حق کی طرف لایا گیا۔

شاہ صاحب نے اس دعا کی طرف اشارہ کیا جس میں رسولِ برحق صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عمر کے اسلام قبول کرنے کی دعا کی تھی۔

شاہ صاحب کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے حضرت عمرؓ کی فضیلت حضرت علی پر بیان فرمائی۔

شاہ صاحب نے تصوف کی جس اصطلاح میں جواب دیا اسی اصطلاح کے مطابق شاہ صاحب کے جواب پر تنقید کی گئی ہے۔

طریقت و محبت کی دنیا کے امام مولانا جلال الدین رومی ہیں، مولانا نے مثنوی میں مرید و مراد اور طالب و مطلوب کے باطنی رشتہ کی گرہ کشائی کرتے ہوئے فرمایا:

ہیچ عاشق خود نباشد وصل جو
که نه معشوقش بود جویائے او

میلِ معشوقاں نہانست و ستیر
میلِ عاشق باد و صد طبل و نفیر

کوئی عاشق وصل کی جستجو اسی وقت کرتا ہے جب معشوق کے اندر جستجو پیدا ہوتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ معشوق کی طلب پوشیدہ ہوتی ہے اور عاشق کی طلب غل شور مچاتی ہوئی آتی ہے۔

اردو کے سب سے پہلے شاعر ولی دکنی نے عشق و حسن کے باطنی رشتہ کا ان لفظوں میں اظہار کیا ہے۔ ولی کہتا ہے:

عشق بے تابِ جاں گدازی ہے
حُسن مشتاقِ دل نوازی ہے!

دلی کے صوفی مزاج شاعر مخمور دہلوی نے نہایت سادہ زبان اور عام فہم پیرایہ میں کہا ہے۔

میری طلب بھی انہی کے کرم کا صدقہ ہے
یہ آگ لگتی نہیں ہے، لگائی جاتی ہے

حیدر دہلوی جواب کراچی میں آسودۂ رحمت ہیں فرماتے ہیں اور اپنے خاص البیلے انداز میں فرماتے ہیں ؎

جمالِ خود بیں تو دیکھ اپنا جنونِ الفت سے اڑنے والے
مرا گریباں پھٹا ہوا ہے یا پھٹ پڑا ہے شباب تیرا!

اب فیصلہ کیجیے کہ طالب و مطلوب میں کیا فرق رہا۔ مرید اور مراد میں کسے افضل کہا جائے!

علامہ اقبال تو ایک عارفانہ نکتہ بیان کر کے چلے گئے لیکن مسئلہ وہیں کا وہیں رہا۔ اصحابِ شریعت نے عبدیتِ رسول کی جو تشریح کی وہ ہر طرح کے ردّ و قدح سے پاک ہے۔

لفظ عبد کے ترجمہ میں احتیاط

جب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عبد کا لفظ بطور اصطلاح ایک خاص مفہوم میں بولا گیا ہے تو ضروری ہوا کہ اس لفظ کے ترجمہ میں اس کا لحاظ رکھا جائے۔ اہلِ تراجم خواہ فارسی والے ہوں یا اردو والے اس حقیقت کو سمجھتے ہیں اور اسی لئے اس لفظ کا ترجمہ "بندہ" کرتے ہیں۔ "غلام" نہیں کرتے۔

بندہ فارسی کا لفظ ہے۔ فارسی میں بندگی کے دو معنی آتے ہیں، کامل فرماں برداری اور غلامی —— اہل تراجم نے پہلے مفہوم میں عبد کا ترجمہ بندہ کیا۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے عبد سے عبد کامل[1]، فرد کامل مراد لے کر اس لفظ کا ترجمہ "بندۂ خاص" کیا ہے اور یہ بہت اچھا ترجمہ ہے۔ جس میں مولانا تھانوی منفرد نظر آتے ہیں

اَلرَّسُوْل بھی اصطلاحی لفظ ہے قرآن کریم نے عبد کی طرح رسول پاک کے لئے "الرسول" کا لفظ بھی لغوی معنیٰ میں استعمال نہیں کیا بلکہ اصطلاحی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

قرآن کریم نے الرسول کا لفظ جس جامع مفہوم میں استعمال کیا ہے وہ یہ ہے

(۱) زبان سے خدا کا پیغام سنانے والا۔ یہ تبلیغ ہے (المائدہ ۶۸)

(۲) اپنے عمل و فعل سے سمجھانے اور یقین دلانے والا، یہ شہادت ہے (الحج ۷۸)

(۳) خدا کے پیغام کی تشریح اور تفسیر کرنے والا، اسے تبیین کہتے ہیں (النحل ۴۴)

غور کیجئے!

کسی عجمی زبان میں الرسول کے اصطلاحی لفظ کا ترجمہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہلِ تراجم میں شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی نے الرسول کا ترجمہ کسی فارسی اردو یا عربی لفظ سے نہیں کیا —— یہ شاہ صاحب کی الہامی اور وہبی قرآن فہمی کا کمال ہے

---

[1] عبد کی چھ آیتوں میں سے پانچ آیتوں میں بندۂ خاص لکھا۔ صرف ایک آیت (اسراء) میں اس کا خیال نہیں رہا۔

قرآن کریم میں الرسول مختلف صیغوں کے ساتھ حضورؐ کے لیے ڈیڑھ سو مقام پر آیا ہے۔
اور شاہ صاحب نے پورے اہتمام سے ہر جگہ رسول کا ترجمہ رسول ہی کے لفظ سے کیا ہے۔
دوسرے ارباب تراجم کے ہاں فارسی کا لفظ پیغمبر ملتا ہے، لیکن شاہ صاحب پیغمبر کے لفظ کو
الرسول کے مفہوم کی ادائیگی کے لیے ناکافی سمجھتے ہیں

بعض اہل قلم حضرات الرسول کے ترجمہ میں قاصد اور ایلچی جیسے گھٹیا الفاظ استعمال کرتے ہیں
جو رسول کے عربی لفظ کا لغوی مفہوم تو ہو سکتا ہے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام
نبوت و رسالت کی ترجمانی کی بجائے اس میں سوءِ ادب کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

نبی علیہ السلام میں تکوینی اختیار

مسلمانوں کی ایک جماعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عطائی تکوینی اختیار کا عقیدہ رکھتی ہے اور وہ تکوینی دائرہ کو تشریعی دائرہ پر قیاس کر کے اس طرح کا عقیدہ قائم کرتی ہے۔

قرآن کریم نے حضورؐ کے بارے میں یہ تو فرمایا ہے کہ آپ حکمِ الٰہی کے تحت دنیا کے لئے مطاع و مقتدا بنا کر بھیجے گئے ہیں:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (النساء: ۶۴)

اور ہم نے رسول کو اس لئے بھیجا ہے کہ حکمِ الٰہی کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے۔

لیکن کہیں اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا کہ خدا نے حضورؐ کو اپنی اجازت اور اپنے اختیار سے عالمِ کون و مکان کا مالک و مختار بنا کر بھیجا ہے۔

قرآن حکیم خدا کا اصولی اور کلی قانون ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قانون الٰہی کی جزئیات اور عملی صورتیں واضح کرنے والے ہیں۔

یہ شرح و بیان بھی ہدایتِ الٰہی سے بے نیاز ہو کر صادر نہیں ہوتا تھا بلکہ ہدایتِ الٰہی کے تحت صادر ہوتا تھا۔

فرق یہ تھا کہ قرآن کے اصولی احکام وحی جلی کی صورت میں نازل ہوتے تھے اور ان اصولوں کی تشریح وحی خفی کے مطابق صادر ہوتی تھی۔

جزئیات کی تشریح و بیان میں حضورؐ کو شریعت ساز کہا جا سکتا ہے اور یہ تشریعی اختیار کی ایک صورت ہے، ــــــ مجازی صورت

حقیقت میں شریعت ساز خدا ہی کی ذات قرار پاتی ہے۔

حقیقی شریعت سازی کے لحاظ سے قرآن کریم نے یہ واضح کر دیا:

مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ـــــ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ (النجم: ۴ ،

الحاقہ ۴۴ - ۴۶)

نبی علیہ السلام اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے، وہ وحی الٰہی کے مطابق کہتے ہیں اور اگر وہ ہماری طرف کوئی بات غلط طور پر منسوب کر دیتے تو ہم انہیں سختی سے پکڑ لیتے اور ان کی شہ رگ کاٹ ڈال دیتے۔

تشریع کے دائرہ میں یہ پابندِ وحی اختیار بھی آپ کو اس لئے عطا کیا گیا تھا کہ آپ کا منصب شہادتِ حق (قولی اور عملی تشریح) تھا ـــ تکوینی معاملات سے نبی و رسول کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اس لئے تکوینیات میں نبی و رسول کے لیے کسی نوع کے اختیار کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

قرآن کریم نے کہا:

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ـــــ وَلَا یُشْرِكُ فِیْ حُکْمِهٖۤ اَحَدًا

حکم و اختیار صرف اللہ کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے اختیار میں شریک نہیں کرتا

(الانعام ۵۷، الکہف ۲۶)

مشرکین عرب کے لبیک سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین عرب اپنے بتوں اور باطل معبودوں کے لیے عطائی ملک و اختیار کا عقیدہ رکھتے تھے ـــ مستقل بالذات اختیار کا عقیدہ نہیں۔

لبیک لا شریك لك لبیك الا شریکا ھو لك

تیرا کوئی شریک نہیں۔ سوائے اس شریک کے جسے تو نے خود شریک بنا لیا۔

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ کا یہ عقیدہ اس وقت لوگوں کی نظروں میں ان کی کم علمی کی وجہ سے مشتبہ اور مشکوک ہو جاتا ہے جب وہ خدا کے خاص بندوں (حضرات انبیاء علیہم السلام) میں معجزانہ قوتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ حضرات انبیاء و اولیاء سے غیر معمولی واقعات کا صادر ہونا ان لوگوں کو شبہ میں ڈال دیتا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ خدا کے ان خاص بندوں کے اندر عطائی

طاقت اور تکوینی اختیارات موجود ہیں ـــــــ اور یہ تصور کھلا شرک اور کفر ہے۔

اسلام اور ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سو برس پہلے اس گمراہی میں عیسائی قوم اس طرح گرفتار ہوئی کہ انجیل کے مصنفین نے حضرت عیسٰی کے معجزات کو اس انداز سے بیان کیا جیسے حضرت عیسٰی کے اندر مردوں کو زندہ کرنے اور بیماروں کو صحت مند کرنے کی ذاتی قوت و ذاتی تصرف موجود تھا۔

موجودہ انجیلیں حضرت عیسٰی کے دو سو برس بعد حضرت عیسٰی کے حواریوں کے شاگردوں نے ترتیب دیں۔ ان شاگردوں نے اپنے استادوں (حوارین مسیحؑ) سے حضرت عیسٰی کے حالات پر جو کچھ سنا اسے اپنے عقیدت مندانہ انداز میں نقل کر دیا اور عقیدت کے غلو و تشدد نے خدائی معجزہ دکھلانے والے پیغمبر کو معجزہ پیدا کرنے والے خدا کے روپ و رنگ میں پیش کر دیا۔

ظاہر ہے کہ جس ہستی میں مردوں کو زندہ کرنے اور مٹی کے پرندوں کو اصلی پرندہ بنا کر اڑانے اور کل کا کھایا پیا بتانے کی قوت ہو اس کے لئے خدائی کا عقیدہ قائم کرنا عقل کے خلاف نہیں۔ لیکن کسی معجزہ دکھانے والے نبی و رسول نے یہ کہہ کر معجزہ نہیں دکھایا کہ میرے اندر یہ حیرت انگیز تصرف و اختیار موجود ہے بلکہ ہر ہر قدم پر اس حقیقت کا اظہار کر دیا کہ معجزہ یا کرامت نمودار کرنے کی قوت خدائے واحد کے اندر ہے۔

پیغمبروں کے ذریعہ خدائے قدیر غیر معمولی واقعات ظاہر کر کے ان کی صداقت پر دلیل دکھانا چاہتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اپنے آخری کلام مقدس (قرآن کریم) کی لفظی اور معنوی تنزیل و تحفظ کو اپنے ہاتھ میں رکھا اور تمام نبیوں کے معجزات کے وقوع کو واضح طور پر اپنی طرف منسوب کیا۔

نور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں تو اتنی احتیاط کی گئی کہ جب مخالفین کی طرف سے فرمائشی معجزات و نشانات کا مطالبہ کیا گیا تو آپ سے جواب دلوا دیا گیا کہ معجزہ اور نشان میرے ہاتھ میں نہیں۔ خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ میں تو صرف حق کا داعی اور مبلغ ہوں۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا
مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ
جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ
الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا اَوْ تُسْقِطَ
السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ
تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا
اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ
اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ
لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا
نَّقْرَؤُهٗ ؕ
قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ
اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝
(بنی اسرائیل : ۹۰-۹۳)

اور منکرین نے کہا ہم اے نبی تم پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمارے لئے زمین میں ایک چشمہ جاری نہ کردو یا تمہارے پاس ایک کھجوروں اور انگوروں کا باغ نہ ہو اور اس باغ میں تم پانی کی نہریں جاری نہ کردو یا جیسا کہ تم کہتے ہو آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر نہ گرادو یا خدا اور فرشتوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے لاکر کھڑا نہ کردو یا تمہارے پاس سونے کا ایک محل نہ ہو یا تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ اور اس چڑھنے کا ہم یقین نہیں کریں گے جب تک تم آسمان سے ایک کتاب ساتھ نہ لاؤ جسے ہم پڑھ سکیں ـــــ رسول اکرم نے اس کے جواب میں خدا کی طرف سے کہا سبحان اللہ (بڑا تعجب ہے) میں کون ہوں صرف خدا کا ایک رسول جو انسان ہے۔

قرآن کریم نے حیرت انگیز اور دنیا کو عاجز کر دینے والے واقعات کو آیاتِ الٰہی، یعنی نشانیوں سے تعبیر کیا ہے، جو رسولوں کی صداقت کے لئے ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کے حق میں اتمام حجت کے طور پر ظاہر کی جاتی ہیں۔

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ
(الانعام : ۱۰۹)

کہدو! نشانیاں اللہ کے قبضہ میں ہیں۔

قرآن کریم نے سابق قوموں کی گمراہی کے تجربہ کی روشنی میں معجزات کے بارے میں جس قدر احتیاطی اسلوب و انداز اختیار کیا، افسوس کہ آخری امت کے ایک طبقہ (مدعیان محبت) نے اس سے کوئی سبق نہ لیا اور اسی راہ سے گمراہی میں مبتلا ہوگیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو عیسائی قوم کے حوالہ سے عقیدت و محبت کے غلو و مبالغہ سے دور رہنے کی سخت تاکید کی تھی اور فرمایا تھا:

لا تطروني كما اطرت النصارٰى المسيح ابن مريم (حدیث)	مسلمانو! میری تعریف میں اس طرح مبالغہ آرائی نہ کرنا جس طرح نصاریٰ نے مسیح علیہ السلام کے بارے میں کی

لیکن اسی کے ساتھ آپ نے ایک پیشین گوئی بھی فرمائی تھی کہ:

لتتبعن سنن من كان قبلكم (مشکوٰۃ ۶۵۲ بحوالہ ترمذی)	تم مسلمان ضرور (شرک کے کاموں میں) اگلوں کی پیروی کروگے۔

مشرکین عرب ایک درخت (ذات انواط) کی پرستش کرتے تھے اور اس پر تلواریں لٹکا کر اس کا طواف کرتے تھے۔ بعض مسلمانوں نے ایک سفر میں اس درخت کو دیکھ کر حضورؐ سے درخواست کی کہ ہمارے لئے بھی آپ ایسا ہی درخت مقرر کر دیں —— اس پر حضورؐ نے بطور پیشین گوئی یہ فرمایا:

چنانچہ یہ طبقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو آپ کی ذاتی قوت قرار دے کر آپ کو تکوینی اختیارات میں شریک ہونے کے عقیدہ کی تبلیغ کر رہا ہے۔

پاکستان کے ایک اہلِ حدیث عالم نے "نبوت کی علمی تعبیر" کے نام سے ایک تحقیقی کتاب لکھی ہے، جس کا موضوع یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تکوینی اختیار کے تصوّر کی تخلیق میں دیوبندی اور بریلوی علماء دونوں شریک ہیں اور اس تصوّر کی اساس شیخ ابن عربی کے وحدۃ الوجودی عقیدہ پر قائم ہے۔ لیکن مصنف محقق نے اس کی نسبت پورے دیوبندی حلقہ کی طرف کر کے انصاف کا خون کیا ہے۔

کیونکہ اس تصوّر کا ماخذ دیوبندی اکابر کی کتابوں میں صرف مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی مشہور کتاب "آبِ حیات" نظر آتی ہے۔

اور بریلوی علماء کی کتابوں میں مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ کی کتاب "سلطنت المصطفٰےؐ فی ملکوت کل الورٰی" بنیادی کتاب ہے جس میں خان صاحبؒ نے تمام کائنات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ فرمان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

دونوں کتابوں میں فرق صرف تعبیر و توجیہہ کا ہے، مولانا نانوتوی نے علمی اور منطقی استدلال سے کام لیا ہے اور خانصاحب کے ہاں عوامی اسلوب ہے۔

مثلاً آبِ حیات میں حضورؐ کے لئے درجہ دوم کی ملکیت کا تصور ہے اور خانصاحب اسے عطائی ملکیت و اختیار کہتے ہیں۔

قرینِ قیاس ہے کہ مولانا بریلوی کے سامنے مولانا نانوتوی کی آبِ حیات رہی ہو کیونکہ خانصاحب کی عمر مولانا نانوتوی کی وفات کے وقت ۲۵ سال کی تھی۔

مولانا نانوتوی کی ولادت ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) اور وفات بعمر ۴۹ سال ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) اور مولانا بریلوی کی ولادت ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۶ء) اور وفات بعمر ۶۸ سال ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ء) ہے۔

خانصاحب نے سلطنت المصطفٰے کتاب ۱۲۹۷ھ میں لکھی، جب آپ کی عمر ۲۵ سال تھی مولانا بریلوی کے عوامی اور عامیانہ اسلوب کی ایک مثال یہ دو شعر ہیں جو خانصاحب کے مجموعۂ کلام سے نقل کئے جاتے ہیں۔

ان کی نبوّت، ان کی ابوّۃ ہے سب کو عام
امّ البشر عروس انہیں کے پسر کی ہے!
ظاہر ہیں میرے پھول باطن میں میرے نخل
اس گل کی یاد میں یہ صدا بوالبشر کی ہے

(حدائقِ بخشش)

آبِ حیات کے استدلال کے لئے مولانا نانوتویؒ نے حسب ذیل آیت کو اساس بنایا ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ (الاحزاب: ۶)

اس کا ترجمہ دیوبندی مسلک کے مشہور راہنما مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حسب ذیل کیا ہے:

"نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں

اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"نفس انسانی اگر بُرا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ مومن کا بدخواہ ہوگا اور اگر اچھا ہے تب بھی وہ زندگی کی بعض مصلحتوں سے بے خبر رہتا ہے اور نبی کو خدا تعالےٰ نے انسانی فلاح و خیر کا ضروری علم عطا فرمایا ہے اس لئے نبیؐ ہر حال میں امت کے خیرخواہ اور ہمدرد ہیں۔"

(بیان القرآن جلد ۹ ص ۲۷)

مفسرین میں ابن جریر طبری (وفات ۳۱۰ھ) امام فخر الدین رازی (وفات ۶۰۶ھ) علامہ ابنِ کثیر (وفات ۷۷۴ھ) اور صاحب روح المعانی (وفات ۱۲۷۰ھ) اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی، سب نے آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے اور لفظ اولیٰ کو اسی مفہوم میں بیان کیا کہ حضورؐ اپنی امت کے حق میں ان سے زیادہ مہربان ہیں آپؐ کی اطاعت اپنی خواہشِ نفس اور اپنے آباء و اجداد کی حکم برداری سے مقدم ہے۔

قاضی صاحب نے متقدمین مفسرین کی عبارتوں کا ان الفاظ میں حاصل نکالا ہے:

اولیٰ فی نفوذ الحکم علیھم ووجوب طاعته علیھم فلا یجوز الطاعة الآباء والامھات بمعنی حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔

(مظہری جلد ۷ ص ۲۰۸)

بعض قرأتوں میں وھو اَبٌ لھم (نبی ان کے باپ ہیں) بھی آیا ہے اس لئے امام مجاہد نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

کل نبی اَب لامته ــــ ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے کیونکہ وہ امت کا مربّی اور شفیق معلم ہوتا ہے۔ حقیقی باپ جسمانی حیات کا کفیل ہوتا ہے اور نبی کی تربیت سے ابدی حیات حاصل ہوتی ہے۔

پس روحانی باپ ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں، البتہ امہات المومنین کا امت کی ماں ہونا خصوصیات میں سے ہے، دوسرے انبیاء کی ازواجِ مطہرات کا یہ درجہ نہیں

(روح المعانی جلد ۷، ص ۱۰)

ابن جریر طبری نے ابن زید کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں نبی اور امت کے باہمی تعلق کو آقا و غلام کے تعلق سے تشبیہ دی ہے لیکن وہ آقائی اور غلامی احکام شریعت کے نفاذ و اجراء کے

معاملہ میں ہے نہ کہ جسمانی آقائی اور غلامی کے مفہوم میں :

النبی اَولیٰ کما انت اولیٰ بعبدک ماقضی فیھم من امر جاز کما کما

قضیت علی عبدک جاز۔ (ابن جریر جلد ۲۱ ص ۷۰)

علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تشریح میں آیت فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ (النساء ۶۵) نقل کی ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ نبی کے حکم سے مراد تشریعی حکم ہے۔ تکوینی حکم کا یہاں کوئی مفہوم موجود نہیں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرۃ کی یہ مرفوع حدیث نقل کی ہے۔

ما من مومن الا وانا اولی الناس به فی الدنیا والاٰخرة اقرءوا إن شئتم النبی اَولیٰ.....الخ

دنیا و آخرت میں ہر مومن کے ساتھ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں میرا تعلق زیادہ ہے۔ اگر کوئی مسلمان ترکہ چھوڑ کر مرے تو اس ترکہ کے وارث اس کے حق دار ہوں گے اور اگر کوئی مسلمان قرض دار مرے یا بچے چھوڑ کر مرے تو ان کی کفالت میں کروں گا اور اس کا قرض میں ادا کروں گا۔

ابن کثیر نے آیت مذکورہ کے چند پہلوؤں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے :

"اس میں ایک بحث یہ ہے کہ کیا حضورؐ کو مسلمان مردوں اور عورتوں کا باپ کہنا صحیح ہے؟ حضرت عائشہؓ اسے درست نہیں سمجھتی تھیں اور امام شافعی کا صحیح قول بھی یہی ہے۔"

ایک حدیث میں آپ نے اپنے لئے والد کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن وہ معلم اور مربی کے مفہوم میں ہے — فرمایا :

انما انا لکم بمنزلة الوالد اعلمکم .... الخ

میں تمہارے لئے باپ کی مانند ہوں تمہیں پیشاب پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی سکھاتا ہوں — جس طرح ماں باپ بچوں کو سکھاتے ہیں۔

حقیقی باپ کے لفظ کی نفی قرآن کریم نے خود کی ہے، فرمایا :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ (ابن کثیر جلد ۳ صـ ۴۶۶)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔

اردو فارسی کے تمام مترجمین نے اولیٰ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے، شاہ ولی اللہ ۔ سزاوار تر، شاہ عبدالقادر ۔ لگاؤ، شاہ رفیع الدین ۔ شفقت، مولانا مودودی ۔ مقدم، ڈپٹی نذیر احمد ۔ زیادہ حق رکھتے ہیں ۔

اولیٰ، ولایت کے ایک معنی حکومت و تسلط کے بھی ہیں، جس طرح قرب اور دوستی کے ہیں، لیکن کسی مترجم و مفسر نے اس آیت میں اولیٰ کو حاکمیت و حکومت کے مفہوم میں نہیں لیا۔

مولانا نانوتوی نے آب حیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت درجہ دوم اور ذاتی حیات کے فلسفہ کی بنیاد اولیٰ کے اسی لغوی مفہوم پر رکھی ہے اور پھر مولانا احمد رضا خانصاحب نے آب حیات کی تاویل کی روشنی میں اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے ۔

"یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے"۔ (کنزالایمان صفحہ ۷۹۴)

تصرف کا لفظ شاہ ولی اللہؒ نے تشریحی طور پر اس طرح بڑھایا ہے،

"پیغمبر سزاوار تر است بتصرف در امور مسلمین از ذاتہائے ایشاں" ـــــ یعنی حضورؐ مسلمانوں کے معاملات میں تصرف کرنے کا حق خود ان سے زیادہ رکھتے ہیں

پھر اس مفہوم کو ان کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ اس طرح واضح کرتے ہیں :

"نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان و مال میں تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا چلتا ہے"۔

اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنا روا نہیں اور اگر نبی حکم دے تو فرض ہو جائے "۔

تصرف سے مراد ان حضرات کی تشریعی تصرف ہے، جو بطور نائب خدا کے خدا کے حکم و ہدایت کے مطابق امت کے دینی معاملات میں جاری ہوتا ہے ۔

قرآن و حدیث کے واضح نصوص اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت خداوندی سے بے نیاز ہو کر تشریعی امور میں دخل دینے کا اختیار نہیں رکھتے تھے ۔

محدثین و فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ جو ہدایات رسول پاکؐ نے ایسی جاری فرمائیں جن کا ثبوت و ماخذ کتاب اللہ میں واضح نہیں وہ ہدایات وحی خفی سے تعلق رکھتی ہیں انہیں ۔

حضورؐ کی ذاتی ہدایات اور ذاتی احکام قرار نہیں دیا جا سکتا، اسی لئے حقیقی مفہوم میں شریعت ساز صرف خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے کتاب و سنت کے باہمی تعلق پر حجۃ اللہ البالغہ میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ حاصل یہ کہ حضورؐ کا تشریعی تصرف بھی نائب خدا کے طور پر ہے، جو رسالت کا حقیقی مفہوم ہے۔ اس میں تکوینی تصرف کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خاص کلامی اجتہاد کی تشریح کے بعد اس حقیقت کو صاف طور پر بیان کر دیا ہے کہ یہ تصورات جس دلیل پر مبنی ہیں وہ ایک باریک و لطیف شے ہے۔ اس لئے عام ذہن کی گرفت میں نہیں آ سکتی۔ لکھتے ہیں:

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل ایمان کے اموال و نفوس میں تصرف کا حق معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ واسطہ اور وسیلہ کا تعلق ایک لطیف اور مخفی شے ہے جو اہل بصیرت کے سوا کسی پر واضح نہیں بلکہ قرآن و احادیث کے اشارات سے بھی بدشواری سمجھ میں آتا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے قانون شریعت کے عام قاعدہ کے مطابق آپ کے لئے نکاح و مہر اور عدل و مساوات کا فریضہ عائد کیا ہے۔"

اگر ملکیت کے اس حق کا لحاظ کیا جاتا تو عام خواتین آپؐ کے لئے مثل باندیوں کے حلال ہوتیں لیکن اس سے کم فہم لوگوں کو شہوت پرستی کی تہمت لگانے کا موقعہ مل جاتا۔"

(آب حیات صہ ۲۰۷)

یہی وجہ ہے کہ علمائے دیوبند نے مولانا نانوتوی کے ان اجتہادی اور استنباطی تصورات کو عوام میں شہرت دینے سے گریز کیا اور عوام میں انہی عقائد کی تبلیغ و تشہیر کی جو عقیدۂ توحید کے مطابق تھے۔

آب حیات کے تصورات

ذیل میں آب حیات کے تصورات کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے، یہ حضرت نانوتوی کے تفردات ہیں، جنہیں جماعت دیوبند کی طرف سے تسلیم کرنے کی کوئی صراحت موجود نہیں ہے۔ مولانا محمد طیب صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند (نبیرہ مولانا محمد قاسم صاحب) کی بعض

تحریروں میں ان تصورات کی جھلک نظر آتی ہے اور ان کی حیثیت بھی مولانا کے ذاتی تصورات کی ہے۔

مولانا نانوتوی نے آبِ حیات میں حضورؐ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے:-

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّہٰتُہُمْ (الاحزاب) حضورؐ امت کے روحانی باپ ہیں۔ روحانی باپ کا درجہ جسمانی باپ سے زیادہ ہے، اہلِ ایمان کی ارواح حضورؐ کی روح پاک سے تخلیق کی گئی ہیں۔

حضورؐ کی حیات ذاتی ہے۔ دوسرے مومنین کی حیات عرضی ہے۔ آپ کی حیات قابلِ زوال نہیں، البتہ موت کے وقت یہ حیات مستور (پردہ میں) ہو گئی اور اہلِ ایمان کی حیات زائل ہو جاتی ہے۔

جیسے سورج گہن میں سورج کی روشنی حجاب (پردہ) میں ہو جاتی ہے، زائل نہیں ہوتی، بخلاف چاند گہن کے، اس کی روشنی زائل ہو جاتی ہے۔ —— حضورؐ کی موت کی مثال جیسے چراغ پر سرپوش ڈھانپ دیا جائے اور مومنین کی مثال جیسے چراغ کو بجھا دیا جائے۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور مؤمنین کے درمیان اتحاد واشتراک اور مثلیت کا تصور غلط ہے۔ اگرچہ شکل وصورت واحکام جسمانی مثلاً کھانے پینے وغیرہ میں مماثل کہا جائے —— قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ —— جس طرح آفتاب اور اس کی شعاعوں میں مثلیت ذاتی نہیں بلکہ آسمان وزمین کا فرق ہے۔ لاکھوں عکس بھی مثلِ آفتاب نہیں ہو سکتے، اگرچہ صورت اور رنگ میں نورِ آفتاب اور اصلی آفتاب میں مشابہت ہے لیکن برابری کا خیال باطل ہے۔

ازواجِ مطہرات آپؐ کی باندیاں تھیں، ان پر حضور کا حق ما ملکت ایمانکم سے زیادہ تھا۔ مالک کی ملک عارضی ہوتی ہے، آزاد کرنے یا فروخت کرنے سے زائل ہو جاتی ہے مگر امتیوں پر آپ کا جو حق ہے وہ کبھی زائل نہیں ہوتا کیونکہ ارواحِ مؤمنین حضورؐ کی روح سے پیدا کی گئی ہیں۔

حقیقی مالک تو خدا ہے لیکن دوسرے درجہ میں رسولِ پاکؐ کی ملکیت کو سمجھئے، کیونکہ حضورؐ تمام عالم کے لئے وسیلہ اور واسطہ فی العروض ہیں جیسے ہاتھ اور قلم، اصل میں حرکت ہاتھ

کو لاحق ہوتی ہے، قلم کی حرکت ہاتھ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پس ہر کمال میں حضور واسطہ ہیں۔
خاص کر ارواحِ مومنین کے لئے۔

آخرت میں آپ کو مقامِ وسیلہ کا دیا جانا اسی طرف اشارہ ہے۔ والعاقل یکفیہ الاشارہ ـــ عجب نہیں کہ یہ روایت صحیح ہو۔

لولاکَ لما خلقتُ الافلاکَ ـــ اگر اے نبی اتم نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا، مضمون تو اس کا صحیح ہے۔ اس لئے مومنین کی ارواح کی قدر و قیمت اور فضیلت ایک حیثیت سے عرشِ اعظم سے بھی زیادہ ہے۔ (آبِ حیات ۲۲۴)

مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے نزدیک حضور علیہ السلام کی حیات "حیاتِ برزخی" ہے جو حیاتِ جسمانی سے زیادہ قوی التاثیر ہے۔ لیکن حضرت نانوتوی کے فلسفہ کے مطابق وہ حیات حقیقی ہے یعنی جسم روحانی تعلق کے ساتھ حیات ہے۔

دیوبند کے مشہور محدث مولانا انور شاہ صاحب کے نزدیک حیات النبیؐ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی روحانی توجہات امت کی طرف مبذول ہیں، اُسی کا اثر ہے کہ یہ امت بحیثیت مجموعی ہدایت پر قائم ہے۔

ماہر القادری علیہ نے اسی مفہوم کو اس شعر میں بیان کیا ہے ؎

کبھی کا کاروانِ کیف و مستی لٹ چکا ہوتا یہاں سب سو رہے ہیں ایک تُم بیدار ہے ساقی

شہدا فی سبیل اللہ کی حیات کے بارے میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ یہ حیات بھی حیاتی اثرات و اعمال کے مفہوم میں ہے، جس کی طرف قرآن کریم نے ـــ یُرزَقُونَ ـــ (وہ رزق دیئے جاتے ہیں) سے اشارہ کیا ہے۔

اوپر علامہ ابن کثیرؒ کے حوالہ سے لکھا گیا ہے کہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ حرمتِ نکاح کا تعلق، مقامِ نبوت کی عظمت و حرمت سے ہے، جو جمہور کا مسلک ہے اور آبِ حیات کے فلسفہ کے مطابق اس حرمت کا تعلق حضورؐ کی حیاتِ حقیقی سے ہے۔

ہمارے اکابرِ دیوبند مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ آپ پر محبت نبویؐ کا غلبہ تھا، اسی محبت کا اثر تھا کہ آپ تواضع و مسکنت کا پیکر نظر آتے تھے، آپ کے شیخ حضرت امداد اللہ صاحب مہاجر مکی آپ کو نصیحت کرتے تھے کہ مولانا

قاسم صاحب! علم کے وقار کا خیال رکھو ــــ یعنی اتنی تواضع اختیار نہ کرو کہ علم کی توہین ہونے لگے۔ مولانا نانوتوی کا لباس، ایک کھدر کا موٹا تہبند، ایک کھادی کی نیم آستین ــــ نہ چغا، نہ عبا، اور عصار کے تکلفات ــــ

آپ کے مقابلہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (جو آپ کے ساتھی اور پیر بھائی بھی تھے) کی شان دوسری تھی، آپ پر اتباع سنّت کا رنگ غالب تھا، آپ قرآن وحدیث کے واضح نصوص کی پیروی کو ضروری سمجھتے تھے، جس میں محدثانہ اور فقیہانہ احتیاط ہے اور عام مسلمانوں کے لئے یہی راہ نجات کی راہ ہے۔

حضرت حاجی صاحب کے ہفت مسئلہ سے آپ نے اتفاق نہیں کیا اور جب حاجی صاحب سے کہا گیا کہ مولانا گنگوہی کو ہفت مسئلہ سے اتفاق نہیں ہے تو آپ نے فرمایا "وہ بڑے عالم ہیں"۔

مولانا نانوتوی نے آب حیات میں آپ کے لئے رونقِ طریقت اور زیبِ شریعت کے الفاظ استعمال کئے ہیں، جماعتِ دیوبند کا مسلک جن اکابر کے افکار پر قائم ہے۔ مولانا گنگوہی ان میں امام کی حیثیت رکھتے ہیں ــــ مولانا محمد قاسم صاحب عاشقِ رسول کے طور پر مشہور ہیں،

جماعت دیوبند کے عظیم فقیہ مولانا مفتی کفایت اللہؒ صاحب سے کسی نے ایک سوال میں مختلف مصالح کے تحت بدعی افکار واعمال کی ترویج پر فتویٰ طلب کیا، مفتی صاحب نے احتیاط کی بنا پر تفصیل میں جانے کے بجائے اختصار کے طور پر یہ لکھا:

"آہ! یہ سوال بہت پیچیدہ اور تفصیل طلب ہے، میں سردست اس کے جواب میں صرف ایک شعر پر اکتفاء کرتا ہوں اور وہ یہ ہے ؎

مپندار سعدی کہ راہِ صفا   تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰؐ

صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً ــــ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ ۔ دہلی

(کفایت المفتی جلد ۱ ص ۱۲۹)

جماعت دیوبند میں حضرت مفتی اعظم محمد کفایت اللہؒ علم حدیث وفقہ اور عملی تقویٰ اور احتیاط اور دانش مندی میں اپنی مثال آپ سمجھے جاتے تھے۔

غلبۂ حال اور حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام

ستمبر ۸۶ء کے "حکمتِ قرآن" میں مولانا الطاف الرحمٰن صاحب بنوی نے اپنی زیر تالیف کتاب "سیرت الخلیل" کی ایک قسط میں حاشیے کے ایک نوٹ میں ایک تفسیری پیچیدگی کی وضاحت کرتے ہوئے اس معاملے پر بحث کی ہے کہ کیا کاملین پر بھی غلبۂ حال ہو جاتا ہے! اس پر دہلی سے ہمیں مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کا درج ذیل مراسلہ موصول ہوا ہے جس میں انہوں نے اس معاملے میں اپنا نقطہ نظر پیش فرمایا ہے۔

سیرتِ خلیل پر پاکستان کے فاضلِ جلیل مولانا الطاف الرحمٰن بنوی صاحب کا جو مضمون حکمتِ قرآن کے ماہِ اگست و ستمبر ۸۶ء میں شائع ہوا ہے اسکے ایک حاشیہ (صفحہ ۶۶، ۶۷) میں کاملینِ امت کے لئے غلبۂ حال کی کیفیت کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس میں حضرات انبیاء کرام بلکہ موحدِ اعظم حضرت خلیل اللہ علیہ السلام اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ کاملین اولیاء کی حد تک اس کیفیت کا انتساب درست ہے غلبۂ حال میں بایزید بسطامی نے سبحانی ما اعظم شانی کہا، منصور نے انا الحق کا نعرہ لگایا، ان کے علاوہ صوفیاء کرام کی شطحیات کا ایک مستقل باب ہے، جن کے خلافِ شریعت ہونے کی وجہ سے غلبۂ حال کی تاویل کی جاتی ہے ـــــ یہاں تک کہ مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی جیسے مستند اور منجھے ہوئے عالم نے مرزائے قادیانی علیہ اللعنۃ کے کفریہ دعووں کی تاویل کرنے کی تجویز پیش کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ انہیں غلبۂ حال پر محمول کیا جائے ـــــ شاید بعد میں دریا آبادی صاحب نے رجوع کر لیا ہو۔

صوفی نذیر احمد صاحب کشمیری ایک پرانے اہلِ حدیث عالم ہیں جو الحمد للہ ابھی حیات ہیں اور جامعہ ملیہ دہلی میں قیام فرما ہیں، وہ مستقل طور پر اس نظریہ کے علمبردار ہیں اور امت میں صرف ایک خیالی اتحاد و اتفاق کے نام پر اس نظریہ کی وکالت کرتے رہے ہیں۔

غلبۂ حال ایک ذہنی کمزوری ہے، جس میں مبتلا ہو کر انسان عقائدِ حقہ کے خلاف بعض کفریہ فقرے زبان پر لاتا ہے چونکہ جن حضرات کی عملی زندگی کتاب و سنت کے مطابق ہوتی ہے ان کی زبان پر ایسے فقروں کا آنا ان کی عام زندگی سے میل نہیں کھاتا اس لئے ان فقروں میں تاویل کر کے ان کی عام زندگی

کے احترام کو قائم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن حضرات انبیاء کا معاملہ بالکل جُدا ہے۔ حفاظتِ الٰہی انہیں غلبۂ حال کی کمزوری سے محفوظ رکھتی ہے۔

فاضل جلیل نے حضرت ابراہیم کے بارے میں سورۂ توبہ (۱۱۴) کے تحت یہ بات صاف کردی کہ آپ نے اپنے باپ کے انجام کفر و انکار کے بعد ان کے حق میں دعاءِ مغفرت کرنے سے گریز کیا لیکن پھر ایک روایت بیان کرکے یہ ثابت کیا کہ حضرت ابراہیم نے قیامت کے دن اپنے اس باپ کے حق میں دعاءِ مغفرت فرمائیں گے۔ (کچھ دبی زبان سے باپ کی مغفرت اور نجات کے لئے عرضداشت پیش فرما ہی دیں گے)

روایت کے جس فقرہ سے بغوی صاحب کو یہ شبہ ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے:-

فای خزی اخزی من ابی	اے خدا آج اس سے بڑی میری کیا رسوائی
الابعد	ہوگی کہ میرا باپ تیری رحمتوں سے محروم ہے

اس فقرہ میں باپ کے لئے مغفرت کی دعاء و درخواست دبی زبان میں بھی نہیں ہے بلکہ اپنی رسوائی پر اظہارِ تعجب ہے اور اس سے بچنے کی درخواست ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس کی تدبیر فرمائی اور آذر کو ایک خون آلودہ جانور کی شکل میں منتقل کر کے دوزخ میں ڈلوادیا — جس سے اس بات کی شہرت ختم ہوگئی کہ ابراہیم خلیل اللہ کا باپ جہنم میں ڈالا گیا ہے۔ بس یہی آپ کا منشا رہا۔ اس واقعہ سے یہ خیال بھی نہ کیا جائے کہ خلیل اللہ نے اپنے آپ کو ذہنی اذیت سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ سوال کیا، کیونکہ عالم آخرت عقائد و اعمال کا عالم ہے، خونی رشتوں اور نسبی علائق کا وہاں کوئی اثر باقی نہیں رہے گا، قرآن کریم نے کہا:

وتقطعت بھم الاسباب	ہر تعلق نسبی و ظاہری ٹوٹ جائے گا

(البقرہ: ۱۶۶)

قرآن و احادیث میں خون اور نسب کے رشتوں میں ایک دوسرے کی وجہ سے جو درجات کی بلندی اور سفارش کی قبولیت کا ذکر آتا ہے وہاں ایمان اور توحید کی شرط کے ساتھ ہے۔ قرآن نے کہا:

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَآءِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ	صلاحیت یعنی ایمان کی شرط لگائی گئی۔
وَذُرِّيّٰتِهِمْ (الرعد: ۲۳، الغافر: ۸)	

توحید و ایمان کو یکسر نکال دینے کے بعد اعمالِ خیر ہی جو کمی و نقص رہ جائے گا اسے

اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے ماں باپ اور اہل اللہ کی دعاؤں کے ذریعے دور فرما دے گا۔

ایک جلیل المرتبہ پیغمبر آخرت میں باپ کی نسبی محبت سے مغلوب الحال اور بے قابو ہو جائے یہ تصور فاضل بنوی کے ذوق کی تسکین کا سامان کیسے بن گیا! ـــــ جبکہ صریح نصوص میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ ـــــ دنیا کی حد تک بے شک اسلام نے خون اور نسب کے فطری رشتوں کا پورا پورا لحاظ کیا ہے، کیونکہ اس زندگی کا تعلق فطرت سے ہے اور اسلام بھی دینِ فطرت ہے ـــــ اور آخرت میں یہ فطرت بدل دی جائے گی۔ وہاں ایمان و عمل کی فطرت ہوگی ـــــ جسم و جان کی فطرت نہیں ہوگی۔

دنیا کی فطرت کے بارے میں اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے کہا ہے

کفر و اسلام کی تفریق نہیں فطرت میں
یہ وہ نکتہ ہے جسے میں بھی بمشکل سمجھا

لیکن آخرت کا نظام اس نظام فطرت سے بالکل مختلف ہوگا۔

فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتسائلون

قیامت کا صور اس امر کا اعلان ہوگا کہ اب نسب و حسب کے رشتے ختم کئے جائیں گے اور ایمان و عمل کے رشتوں کی کارفرمائی قائم ہوگی۔

غلبۂ حال کے استدلال کے لئے فاضلِ محترم نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں عبداللہ ابن اُبی منافق کی نماز جنازہ اور دعائے مغفرت کی آیت کو بھی پیش کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ حضورؐ آیت توبہ (استغفرلھم اولا تستغفرلھم ..... الخ کے قرآنی اسلوب کا یہ مدلول سمجھتے تھے کہ اس میں لفظ "اَوْ" کی تخییر برائے تخییر نہیں ہے اور نہ ستّر کا عدد تحدید اور تعین کے لئے ہے پھر بھی آپ سے یہ منقول ہے "مجھے اختیار دیا، میں نے اختیار کیا اور میں ستّر سے زیادہ دفعہ استغفار کروں گا۔"

اس سوال کا جواب مولانا محمد یعقوب کے حوالہ سے مولانا تھانوی نے یہ دیا ہے کہ آپ پر رحمت کا غلبہ تھا ـــــ آگے فرماتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ غلبۂ حال کاملین پر بھی کبھی ہو جاتا ہے (بحوالہ اشرف الجواب)

حضورؐ نے اس آیت کی تخییر پر عمل نہیں کیا، کیونکہ دوسری آیات میں یہ صریح ہدایت موجود تھی کہ نبیؐ کو سرحال میں کوئی قبول کرے یا قبول نہ کرے ـــــ تبلیغ و دعوت کا فرض ادا کرنا چاہیئے۔

حضرت عمرؓ نے آیتِ توبہ کا جو مطلب سمجھا وہی مطلب حضورؐ نے سمجھا لیکن آپؐ نے لفظی

گنجائش سے فائدہ اٹھا کر ایک دعوتی مصلحت پوری کردی۔ حضرت عمرؓ کے جواب میں آپؐ نے فرمایا: "اے عمر! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میرا ستر سے زیادہ دفعہ دعا کرنا اس کے حق میں مفید ہوگا تو میں ضرور ایسا ہی کرتا۔" (بحوالہ قرطبی)

بہرحال حضرت عمرؓ کو یہ جواب دے کر آپؐ نے نمازِ جنازہ پڑھادی اور پھر خدا تعالیٰ نے تصریح کے ساتھ منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے روک دیا۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ الخ (توبہ: ۸۴) — ان منافقین میں سے آپ کسی پر آئندہ نمازِ جنازہ نہ پڑھیں

علماء اعلام نے حضورؐ کے اس فعل کو دعوتی اور دینی مصلحت سے وابستہ کیا ہے۔ رحمت و شفقت کا یہ بامقصد مظاہرہ تھا، اخلاقی مدارات کے طور پر آپ کا یہ فعل رونما ہوا ـــــ آپؐ کے دل میں حقیقی طور پر اس منافق کے لئے کوئی محبت و شفقت نہ تھی۔ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً (آل عمران ۲۸) کی تفسیر میں کفار کے ساتھ اخلاق و مدارات کی جو نوعیت بیان کی گئی ہے اس کا مطالعہ کیا جائے۔

مولانا تھانوی کی طرف سے مولانا محمد یعقوب صاحب کے حوالہ سے غلبۂ حال کی جو بات نقل کی گئی ہے ـــــ وہ صرف ایک صوفیانہ نکتہ ہے ـــــ کوئی تحقیقی بات نہیں ہے، ورنہ مولانا تھانوی بیان القرآن میں اس کا حوالہ دے سکتے تھے۔

ابن ابی منافق کی نمازِ جنازہ کا معاملہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے صاحبزادے عبداللہ کی درخواست پر ابن ابی کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور اس کے کفن کے لئے اپنا کرتہ عطا فرمایا۔

یہ کرتہ عطا فرمانا احسان کا بدلہ تھا۔ ابن ابی نے حضرت عباس کو اپنا کرتہ دیا تھا جب وہ بدر کے قیدیوں کے ساتھ آئے تھے۔ عبداللہ ایک مخلص مسلمان تھے، انہوں نے آکر اپنے باپ کی وصیت نقل کی کہ آپؐ اس کے جنازہ کی نماز پڑھائیں، آپؐ نے ازراہِ اخلاق قبول فرمالیا۔

حضرت عمرؓ نے سورۂ توبہ کی مذکورہ آیت کو یاد دلایا۔ آپؐ نے فرمایا اے عمر! مجھ کو استغفار سے منع نہیں کیا گیا، آزاد رکھا گیا ہے کہ استغفار کروں یا نہ کروں۔ یہ فعل خدا کا ہے کہ ان کو معاف کرے نہ کرے۔ (سو اس منافق کے حق میں نہ سہی) ممکن ہے کہ دوسروں کے حق میں میرا یہ فعل مفید ہو اور نبیٔ رحمت کے اخلاق کریمانہ کو دیکھ کر لوگ اسلام کے قریب آجائیں۔

(تفسیر عثمانی حمائل صفحہ ۲۵۸)

اہلِ علم متقدمین ہوں یا متاخرین، اس بحث میں غلبۂ حال کی صوفیانہ اصطلاح کا کہیں نام تک لیتے نظر نہیں آتے۔

خدا تعالیٰ نے اپنی شانِ رحمت کی ہمہ گیری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

ان رحمتی سبقت علی غضبی — میری رحمت میرے غصہ و غضب سے سبقت لے جاتی ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی اسی شانِ کریمی کا مظہر کامل تھے، ابن اُبی کے معاملہ میں آپ کی اس شانِ لطف و کرم کا مکمل ظہور ہوا اور وہ ظہورِ عفو و کرم دینِ حق کے لئے مفید ثابت ہوا۔

مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ آپ نے وحی الٰہی کے ظاہری الفاظ کی تخییر پر نظر رکھی، عربی محاورہ کے مطابق آیت کے مفہوم مرادی سے صرف نظر کیا کیونکہ ممانعت کی صریح ہدایت موجود نہیں تھی ۔۔۔ اور اس کا سبب ایک دعوتی مصلحت تھی کہ دوسرے لوگ آپ کے اخلاقِ کریمانہ کو دیکھ کر اسلام کے قریب آجائیں چنانچہ قبیلہ خزرج کے ایک ہزار افراد نے اس واقعہ کے بعد اسلام قبول کیا ۔۔۔ ایک روایت کے مطابق۔

مفتی صاحب نے آیتِ تخییر کی مثال میں سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ (البقرہ ۶) پیش کی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام عالم آخرت میں حضرت حق تعالےٰ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے اپنی گمراہ امت (نصاریٰ) کے بارے میں عرض کریں گے

إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (المائدہ ۱۱۸) — اے خدا! اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کردے تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔

حضرت عیسیٰ عذاب اور مغفرت دونوں باتوں کا خدائی اختیار ظاہر کرکے خداوندِ عالم کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا اعتراف کریں گے، یہ جانتے ہوئے کہ کفر و انکار اور شرک و بغاوت کے ساتھ آخرت میں خدا کی رحمت جمع نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ خدا تعالےٰ کی صفتِ غفور رحیم کا ذکر نہیں فرمائیں گے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دنیا میں گمراہوں

کے بارے میں فرمایا تھا :

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (ابراہیم ۳۶)

خداوندا! جو میری پیروی کرے وہ میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بلاشبہ غفور رحیم ہے ۔ (اور تیری یہ صفت رحمت انہیں توبہ اور رجوع کی توفیق دے کر اپنے دامن میں چھپا سکتی ہے ۔)

اس اسلوب میں گمراہوں کے حق میں مغفرت یعنی توبہ و ہدایت کی طلب پوشیدہ ہے ۔

اسی مفہوم میں حضرت ابراہیم نے اپنے مشرک باپ کے لئے استغفار کی دعار کا وعدہ کیا تھا ،

سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ اِنَّہٗ کَانَ بِیْ حَفِیًّا (مریم ۴۷)

میں ضرور آپ کے لئے مغفرت طلب کروں گا ۔ بلاشبہ میرا رب مجھ پر بڑا مہربان ہے وہ اسے ضرور قبول کرے گا ۔

لیکن حضرت ابراہیم کی یہ توقع پوری نہیں ہوئی اور آپ کا باپ شرک اور بت پرستی سے توبہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوا ۔

کسی جذبہ کے ساتھ بھی کسی مشرک کے لئے مغفرت و نجات کی دعار ایک پیغمبر کے لئے جائز نہیں ہو سکتی ، جب تک وہ مشرک رہے ۔

آخر جمہور علمار کے مسلک کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل سوزی کے ساتھ اپنے محسن چچا کے حق میں دعوت و تبلیغ کی جد و جہد کامیاب کیوں نہ ہوئی ؟ —— یہ خداوند حکیم کی حکمت بالغہ ہے ۔

—۵—

بنی اسرائیل اور امت مسلمہ میں مشابہت

پاکستان کے مشہور مذہبی رہنما ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر جماعت تنظیم اسلامی نے میثاق کے تازہ شمارہ میں یہ بشارت دی ہے کہ پاکستان پر چالیس برس گذرنے والے ہیں اور اب پاکستان صحیح معنی میں اسلامی حکومت سے ہم کنار ہونے والا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے یہ خوشخبری بنی اسرائیل کے حالات کی روشنی میں دی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے اسی اجتہاد پر حسب ذیل تجزیہ پیش کیا جارہا ہے اور نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم کے اس وقت جو حالات ہیں ان حالات پر اس تجزیہ سے روشنی پڑ رہی ہے۔

اس تجزیہ کی حیثیت صرف ایک قیاس واجتہاد کی ہے ورنہ امت مسلمہ کے ساتھ خداوندعالم کا ایک خاص تعلق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس امت میں حسب مصلحت خداوندی مجددین و مصلحین آتے رہتے ہیں۔ انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی اوران مجددین کے ذریعے اسباب ظاہری کے خلاف امت میں انقلاب آتا رہا ہے بظاہر صورتِ حال کتنی ہی مایوس کن ہو لیکن پچھلی پندرہ صدیوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس آخری امت توحید کو سنبھالنے کے لئے تاریخ معجزات دکھاتی ہے اور یہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم گیر نبوت کا تقاضا ہے ۔۔۔ بہرحال تجزیہ ملاحظہ ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود بنی اسرائیل اور امت مسلمہ میں گہری مماثلت اور مشابہت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

لیاتین علے امتی کما اتیٰ	میری امت پر بھی اسی طرح حوادث
علے بنی اسرائیل حذو	واقع ہوں گے جس طرح بنی اسرائیل
النعل بالنعل	پر واقع ہوئے، بالکل دو جوتیوں
(ترمذی عن ابن عمرؓ)	کی طرح جو ایک دوسرے کے برابر
	ہوتی ہیں۔

اس حدیث کی روشنی میں دونوں امتوں کے حالات کا تجزیہ کیجئے تاکہ اس ارشادِ نبوی کی صداقت کا اندازہ ہو

حضرت یوشع ابن نون کی قیادت میں چالیس سال کی صحرا گردی سے نجات۔

حضرت یوشع علیہ السلام نبی تھے، حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ دو رسولوں کی تربیت میں رہ چکے تھے۔ چالیس سال کی سرگردانی کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کی قیادت میں بنی اسرائیل کی نئی نسل نے فلسطین کو دشمنوں سے آزاد کرایا۔

اس عرصہ میں فرعون کے دَور غلامی کی ذہنیت رکھنے والے بزدل اور تعیش پسند طبقے بنی اسرائیل پاک ہو چکے تھے، مگر اب بھی ان میں قبائل پرستی کا روگ موجود تھا اس لئے خدا تعالےٰ کے حکم سے حضرت یوشعؑ نے فلسطین کی حکومت کو بڑے بڑے خاندانوں پر تقسیم کر دیا۔

ہر خاندان کا سرداران کا حاکم ہوتا مختلف قاضی مذہبی معاملات طے کرتے اور نبی ان سب کی نگرانی کرتا۔

قبائلی حکومت کی کمزوری کے سبب آئے دن فلسطین پر بیرونی قومیں حملہ آور ہوتیں اور لوٹ مار اور قتل و غارت گری کر کے یہودیوں کو پریشان کرتی رہتیں۔

اسی قبائلی عہد کا واقعہ بابل (عراق) کے حکمران بخت نصر کا زبردست حملہ ہے جس میں وہ فلسطین کی اینٹ سے اینٹ بجا گیا اور ہزاروں یہودی جوانوں کو قید

کرکے اپنے ساتھ لے گیا اور پھر فارس کے بادشاہ کیخسرو (سائرس) نے بخت نصر کو شکست دے کر یہودیوں کو آزاد کرایا اور حضرت عزیر کے ذریعہ توراۃ دوبارہ وجود میں آئی۔

اسی دور میں عمالقہ نے جو پہلے حکمراں رہ چکے تھے زبردست حملہ کیا اور فلسطین کے بڑے حصہ پر قابض ہو گئے۔

اس وقت حضرت سموئیل پیغمبر تھے۔ بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے جو تمام فلسطین کا انتظام سنبھالے اور تمام قبائل کو متحد کرے۔

خدا کی طرف سے ان کی درخواست پر حضرت ساؤل کو سیاسی قائد مقرر کر دیا گیا قرآن نے ان کا صفتی نام لیا ہے۔ "طالوت" یعنی قد و قامت اور طاقت والا شخص۔

طالوت بنی اسرائیل کے سب سے چھوٹے قبیلہ (بن یامین) سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے بنی اسرائیل کے سرداروں نے ان پر اعتراض کیا، لیکن خدا نے ان سے کہا کہ تمہاری قوم میں اس وقت صرف یہی ایک شخص ہے جو علم اور جسمانی قوت میں تم سب پر برتری رکھتا ہے۔ قرآن کریم نے "بصطۃ فی العلم والجسم" کہا ہے۔

بڑے شاہ صاحبؒ نے علم کا ترجمہ دانش کیا ہے اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے عقل کیا ہے۔

طالوت نے بنی اسرائیل کو ایک سیاسی طاقت کے طور پر منظم کیا اور پھر ان کا امتحان لیا۔ اس امتحان میں یہود کی بڑی اکثریت فیل ہو گئی اور صرف تین سو تیرہ افراد کامیاب ہوئے اور طالوت نے اسی قلیل گروہ کے ساتھ عمالقہ کی بڑی فوج سے مقابلہ کیا اور نصرت الٰہی نے طالوت کو فتح سے ہم کنار کر دیا۔

اب تمام فلسطین ایک متحدہ اسرائیلی اسٹیٹ کی شکل میں قائم ہوا۔

اور اس طرح ساڑھے تین سو سال کے بعد حضرت موسیٰؑ کا خواب صحیح معنی میں

پورا ہوا۔

طالوت کے بعد حضرت داؤدؑ ان کے جانشین ہوئے اور یہاں سے پھر نبوت اور ریاست ایک جگہ جمع ہو گئی۔

یہود کی اس تاریخ کے آئینہ میں اگر اس امت کے حالات کو دیکھا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ امت ۔ مختلف مسلم ممالک ۔ بیرونی غلامی سے تو نجات پا چکے ہیں ۔ اور اب وہ قومی اختلاف و انتشار کے دور سے گذر رہے ہیں۔

اسرائیل اور امریکہ سے زبردست ٹکر کے باوجود عرب ممالک کا اختلاف، غیر عرب مسلم ملکوں کے الگ الگ مسائل، عراق و ایران کی جنگ ، پاکستان اور افغانستان کی کشمکش، پاکستان اور بنگلہ دیش کی علیحدگی ۔ یہ تمام حالات یہودیوں کے اس دور سے مشابہت رکھتے ہیں جس دور میں انھوں نے حضرت یوشعؑ کی قیادت میں فلسطین کے علاقہ کو آزاد کرا کے اس پر قبضہ تو کر لیا تھا مگر قبائلی انتشار میں مبتلا تھے۔

یہود کے بارہ قبیلوں کا باہمی اختلاف اس درجہ شدید تھا کہ خدا تعالیٰ نے میدان تیہ میں ان کے لئے، پانی کے چشموں کا غیبی انتظام کیا تو اس میں بھی ہر قبیلے کے لئے الگ گھاٹ تجویز کیا گیا۔

اس اختلاف کی شدت کے پیش نظر ہی فلسطین پر ہر قبیلہ کی الگ حکومت وسرداری قائم ہوئی ۔ اور جب اس کمزور اور بٹی ہوئی حکومت کو بیرونی حملوں نے تباہ کرنا شروع کیا تو پھر انھوں نے اپنے لئے ایک حکمران کی درخواست کی۔

خدا تعالیٰ نے انھیں طالوت جیسا دانش مند اور طاقتور حکمراں عطا کیا اور طالوت نے تمام بنی اسرائیل کو متحد کر کے فلسطین کے اکثر علاقوں پر قابض دشمنوں کے ساتھ کامیاب جنگ لڑی۔

آثار یہ بتا رہے ہیں کہ اس امت کو موجودہ ذلت و رسوائی سے نجات دلانے۔

کے لئے طالوت جیسی قیادت ملے گی۔ جو معروف معنیٰ میں مولوی اور مولانا سے مختلف ہوگی کیونکہ آج امت مسلمہ کو موجودہ نظری اور اعتقادی اختلافات سے بچا کر ایک متحدہ طاقت بنانے کا کام مذہبی قیادت کے ذریعہ ممکن نہیں۔

وہ قائد جو اس عہد ذلت سے نکالے گا دین دار ضرور ہوگا۔ مگر دینی پیشواؤں کے طبقہ سے الگ ہوگا۔ کسی دینی اور مذہبی پیشوا کی قیادت میں امت مسلمہ کا جمع ہونا بظاہر بعید سے بعید نظر آرہا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں صرف بیس سال میں ۔۔۔ بنی اسرائیل کی مدت سے آدھی مدت میں ۔۔۔ وہ انقلاب آگیا۔ کیونکہ حضرت یوشع کی قیادت سے نبی آخرالزماںؐ کی قیادت اور جماعت دونوں باتیں قوی تر تھیں۔

امت مسلمہ نہ پیغمبرانہ قیادت رکھتی ہے اور نہ وہ صحیح معنیٰ میں خیر امت کی صفت سے متصف ہے۔

اس لئے بنی اسرائیل والا دوسرا انقلاب ۔۔۔ طالوت والا ۔۔۔ انقلاب چالیس سال کے اندر کیسے آسکتا ہے۔؟

خمینی ازم ائمہ اہلبیت سے بغاوت ہے

خلافت راشدہ اسلام کی معیاری خلافت کا نام ہے۔ خلافت راشدہ اور شورائی نظام خلافت کے بعد خاندانی حکومت کا دور شروع ہوا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندانی حکومت کے اس دور کو تکلیف دہ (ملک عضوض) حکمرانوں کا دور کہا ہے۔

سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح لکھا ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنے رفقاء کرام کو اخلاق حمیدہ کی آخری منزل پر پہنچا دیا تھا جس کے بعد کوئی بلندی نہ تھی زوال تھا اس لئے خلافت راشدہ کے معیار کی حکومت کا قائم ہونا صحابہ کرام کے بعد ممکن ہی نہ تھا۔

عربی اور قریشی خاندانوں کی حکومت کا یہ دور بنی امیہ اور بنی عباس کی پانچ سو سالہ حکومت کا عہد تھا اس پورے عہد میں ائمہ اہل بیت کی روش اس دور کے حکمرانوں کے ساتھ کیا رہی؟ تاریخ نے اسے پوری نگرانی کے ساتھ محفوظ رکھا ہے کیونکہ اسلام کے اجتماعی نظام کے قیام وبقاء کے سلسلے میں اس مسئلے کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کہ کیا ائمہ اہل بیت نے اموی اور عباسی حکومتوں کے خلاف سیاسی ہنگامے کھڑے کر کے صالح قیادت قائم کرنے کی کوشش کے نام پر فتنہ وفساد برپا کیا اور بعض حضرات کی طرف

جو انقلابی سرگرمیاں منسوب کی جاتی ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟ یہ اسلام کی اجتماعی تاریخ کا اہم سوال ہے۔

اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے زکوٰۃ کی ادائیگی کے بارے میں مولانا ابو الکلام آزادؒ نے لکھا ہے کہ:

"جمہور فقہاء کا یہی مذہب قرار پایا ہے کہ اگر حکام جور (ظالم حکمراں) کو زکوٰۃ دیدی گئی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔

ائمہ اہل بیت و عترۃ رسولؐ نے بھی قولاً و فعلاً اسی سے اتفاق کیا جیسا کہ امام باقر (علیہ و علیٰ آبائہٖ السلام) سے اصول میں منقول ہے اور اسی لئے محققین امامیہ و فقہاء زیدیہ بھی اس فیصلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں۔ (مسئلہ خلافت ۵۱)

اگر ایک خلیفہ و امیر کی حکومت قائم ہو چکی ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسرا کوئی دعویدار یا انقلابی کھڑا ہو جائے تو اس کا حکم باغی کا ہے اور باغی واجب القتل ہے کیونکہ وہ اُمت میں انتشار اور بدامنی پیدا کرنا چاہتا ہے اور قائم شدہ نظام کو درہم برہم کرنے کے درپے ہے۔ صحیح حدیث یہ ہے

مَنْ اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم ویفرق جماعتکم فاقتلوہ (امام احمد و امام مسلم)

جمہور اہل اسلام نے اس ہدایت نبویؐ کی روشنی میں اتفاق کیا کہ خلیفہ خواہ اہل ہو یا نااہل مگر اس کی حکومت قائم ہو چکی ہے تو اس کے خلاف تلوار اٹھانے والا باغی ہے مگر یہ کہ اس سے کھلے کفر کا صدور ہو اس وقت تلوار اٹھانا ضروری ہو جاتا ہے۔

ائمہ اہل بیت کا مسلک کتب امامیہ میں کیا نقل کیا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

ان جہادہم افضل من جہاد الکفار الی دیارہم اذ فعلہم فی دار الاسلام کفعل الفاحش فی المسجد۔ (نیل الاوطار جلد ۷ صفحہ ۸)

ان تخریب کاروں سے جہاد کرنا کفار کے ساتھ جہاد کرنے سے افضل ہے کیونکہ

ان کی فتنہ انگیزی دارالاسلام میں برپا ہوئی ہے۔ جیسے کوئی شخص مسجد کے اندر گناہ کرے تو اس کا یہ گناہ باہر کے گناہ سے زیادہ شدید ہوگا۔

یہ مسلک رہا ہے ان مقدس ہستیوں کا جن کا نام لے کر ہر دور میں خمینی ازم کے علم برداروں نے ملت اسلامیہ میں کشت وخون جاری رکھا ہے اور اس خون خرابہ کو آل نبیؐ کی سنت قرار دیا۔

اس سلسلے میں حضرت امام حسینؓ کی انقلابی جدوجہد کو بنیادی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت امام نے یزید کے خلاف جدوجہد کی۔ لیکن اس جدوجہد کو برشد نہیں کہا جاسکتا اور نہ اسے خروج اور بغاوت کا نام دیا جاسکتا ہے۔

اس جدوجہد کی صورت یہ تھی کہ حضرت امام نے اس وقت اقدام فرمایا جب اسلامی حکومت کا تخت امیر معاویہ کی وفات کے بعد خالی تھا اور اُمت کے اصحاب رائے اور ارباب حل وعقد یزید کی ولی عہدی سے متفق نہ ہوئے تھے اور ایک مرکزی علاقہ (عراق) کے باشندوں نے آپ کو خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کی دعوت دی تھی۔

چنانچہ حضرت امام نے اس دعوت کے مطابق اقدام فرمایا۔

اس موقع پر حضرت امام کو مکہ معظمہ کے والی حضرت ابن زبیر نے حج کے موقع پر آنے والے ہزاروں مسلمانوں کو دعوت دینے اور رائے عامہ تیار کرنے کی غرض سے مکہ بُلایا مگر امام حسین نے ان کی دعوت کو قبول نہ فرمایا اور سیدھے کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ اور اس کی وجہ یہی بیان فرمائی کہ میں حرم پاک میں حج کے موقع پر اُمت کے اندر خلفشار پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ یقیناً حج کے موقع پر اموی خاندان کے حامی اور طرف دار بھی موجود ہوں گے جس کی وجہ سے باہمی انتشار و خلفشار بلکہ خون خرابہ کی نوبت آسکتی ہے۔

آپ نے کمال خدا ترسی اور تقویٰ کی بناء پر مکہ آنا پسند نہیں فرمایا اور حج بیت اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر کوفہ کی راہ لی۔

کج فہم مورخ آپ کے اس فعل کو ابن زبیر پر اعتماد نہ ہونے سے جوڑتے ہیں حالانکہ حضرت امام حسین جیسا راسخ الایمان انسان جو یزیدی فوج کے ایک کمانڈر حر ابن یزید پر اعتماد کر سکتا تھا وہ اپنے خاندان کے ایک صاحب کردار امیر پر بے اعتمادی کرے اور اپنے سارے خاندان کو شکی مزاج ہونے کی بناء پر ہلاکت میں ڈال دے یہ باور کرنا مشکل ہے۔

چنانچہ حضرت امام نے اہل عراق کی خواہش پر گھر سے قدم نکالا لیکن جب آپ نے گھر سے نکل کر صورتحال بدلی ہوئی دیکھی تو آپ نے واپس مدینہ لوٹنے کا ارادہ کر لیا لیکن آپ کے خاندانی رقیبوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور آپ کو مع آپ کے رفقاء کے مظلومانہ حالت میں شہید کر دیا۔

میدان کربلا میں حضرت امام کے خاندانی دشمنوں نے یہ نعرہ لگایا۔ قتل الحسین علی سیف جدہ۔ حسین بغاوت کی سزا میں اپنے نانا جان کی ہدایت کے مطابق قتل کئے گئے ہیں۔

حضرت امام کے خلاف یہ پروپیگنڈہ غلط تھا۔ ہاں اگر یہ ثابت نہ ہوتا کہ امام حسین نے اپنی رائے بدل کر واپس جانے کا اعلان کیا تب وہ پروپیگنڈہ صحیح ہو سکتا تھا۔

واقعہ کربلا کے بعد مدینہ منورہ کے مسلمانوں نے ناراضگی کے طور پر یزید کی بیعت توڑ دی اور مدینہ میں شورش برپا ہو گئی۔ یزید نے اس ہنگامے کو روکنے کے لئے فوج کشی کا حکم دیدیا اور حرم نبوی میں بڑا خون خرابہ ہوا اس ہنگامے میں حضرت امام زین العابدین نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ آپ گھر سے باہر نہیں نکلے۔ حالانکہ یہ ہنگامہ ان کے خاندان کی ہمدردی میں برپا ہوا تھا حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابن زیاد اور یزید کے

دربار میں جس لیاقت وجرأت سے کلمہ حق بلند کیا وہ بھی اس ہنگامہ سے دور رہیں کیونکہ یہ احتجاج بے نتیجہ تھا۔ اس کے نتیجہ میں حرم نبویؐ کے اندر خون خرابہ ہوا اہل مدینہ کے جذبات قابل قدر تھے مگر ایک مدبر اور خداترس امام کی نظر میں شریعت کا یہ اصول حق تھا کہ امت کے اندر بدامنی اور نظام امن وامان کی تباہی سے ہر حال میں احتراز ضروری ہے۔ ظلم کے خلاف احتجاج کرنے میں امن وامان کے برقرار رکھنے کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اگر کسی احتجاج میں تشدد پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس سے دور رہنا لازمی ہے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت زید ابن علی کے اقدام کا واقعہ پیش آیا لیکن خاندان اہل بیت کے جلیل القدر امام حضرت جعفر صادق نے ان سے اختلاف کیا اور اس ہنگامے سے دور رہے۔

حضرت امام علی رضا کو مامون رشید عباسی نے اپنا ولی عہد قرار دیا۔ امام محترم نے ولی عہدی قبول کرلی یعنی تسلیم کرلیا کہ مامون رشید خلیفہ وامیر ہے اور اسے اپنا ولی عہد مقرر کرنے کا حق حاصل ہے

اس طرح خاندان اہل بیت کے جس جوشیلے فرد نے حکومت کے خلاف اقدام کیا تو اکابر اہل بیت نے اس کی مخالفت کی حالانکہ یہ حضرات اپنے آپ کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔

علماء امامیہ کی مستند کتابوں اصول کافی وغیرہ میں بے شمار تصریحات موجود ہیں کہ باوجود اظہار استحقاق خود وشکوہ غصب وتعدی، عدم اطاعت وخروج سے ہمیشہ مانع رہے۔ البتہ بعد والوں کی اس بے حمیتی کا کیا علاج ہوسکتا ہے کہ انہوں نے تقیہ کے نام سے اپنے بڑے بڑے اماموں پر منافقت اور بزدلی کا الزام عائد کردیا۔

ان اکابر علم وتقوی (اولاد رسول) کی طرف خلافت وامامت کے بارے میں تقیہ

(اندر کچھ باہر کچھ) کی نسبت صحیح ہو سکتی ہے تو یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ خدا اور رسولؐ پر عقیدہ رکھنے میں بھی ان لوگوں نے تقیہ سے کام لیا ہو۔ (معاذ اللہ العظیم)

اب رہا ایرانی انقلاب کا معاملہ تو پہلی بات تو یہ کہ اس انقلاب کو قرآن و سنت کے مسلّم اصولوں کے مطابق صالح انقلاب ثابت کرنا مشکل ہے۔

اور اگر بفرض محال ثابت کر دیا جائے تو پھر اس انقلاب کو پر تشدد مظاہروں اور دولت کا لالچ دیکر خفیہ سازشوں کے ذریعہ قائم شدہ مسلم حکومتوں میں پہنچانے کے لئے ان میں ابتری اور بدنظمی پیدا کرنے کا کوئی جواز پیدا نہیں ہوتا۔

اور مسلم حکومتوں کی دانشمندی ہوگی کہ وہ ایران کے مفسد انقلابیوں کے ساتھ ان غیر ایرانیوں پر بھی نظر رکھیں جو مالی مفاد کے دباؤ میں ایرانی سازشوں میں شعوری اور غیر شعوری طور پر شریک ہیں۔ اور جنہیں اپنی سادہ لوحی یا مالی منفعت کے جوش میں خمینی ازم کے اصلی نشانہ کا علم نہیں کہ یہ تحریک دراصل اینٹی عرب تحریک ہے جو چودہ سو برس کے بعد بھی ایران کی فتح کا عربوں سے انتقام لینا چاہتی ہے۔

جن نوجوانوں کو خمینی ازم کے بارے میں شرح صدر حاصل کرنا ہو وہ مشہور مستشرق ڈاکٹر براؤن کی انگریزی کتاب کے ترجمہ ادبیات ایران کا مطالعہ کریں۔ براؤن نے ایک فارسی شاعر کے یہ شعر نقل کئے ہیں جو ترجمہ کے بغیر نقل کئے جاتے ہیں۔

بشکست عمرؓ پشت ہرمزان عجم را
برباد فنا داد رگ و ریشہ جم را
ایں عربدہ بر غصب خلافت ز علی نیست
با آل عمرؓ کینہ قدیم است عجم را

(صفحہ ۸۵)

تعارف

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی دلی کے پرانے صنعتی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے خاندان میں دلی کی مشہور صنعت تارکشی، کامدانی اور گوٹہ پیمک کا کام ہوتا تھا، اس صنعت کا تعلق قلعہ معلّٰی سے تھا اور شاہی سرپرستی اس کام کے کارخانہ داروں کو حاصل تھی۔

دلی کے مشہور عالم اور جنگ آزادی کے قائد مولانا احمد سعید صاحب سحبان الہند کے خاندان میں بھی تارکشی کا کام ہوتا تھا۔ مشینی دور شروع ہونے کے بعد دلی کی ان شاہی دست کاریوں کی اہمیت ختم ہوگئی۔

مولانا قاسمی نے اپنے والد عنایت حسین صاحب کے ماموں آغا شرف الدین صاحب کی کفالت میں ہوش سنبھالا۔ شرف الدین صاحب لاولد تھے۔ انہوں نے اپنے بھانجے کے لڑکے کو گود لے کر پروان چڑھایا —— مولانا کی پیدائش ۱۹۲۵ء (۱۳۴۳ھ) ۱۲ر شعبان المعظم ہے۔

مولانا کے خاندان میں دو بزرگ ہستیاں علم دین سے بھی تعلق رکھتی تھیں، ایک بزرگ جو شرف الدین صاحب کے چچا تھے۔ پنجاب کی مسلم ریاست مالیر کوٹلے میں قرآن مجید کی خدمت کرتے تھے، نواب صاحب حافظ صاحب کی بڑی قدر

کرتے تھے اور نواب صاحب کی سرپرستی میں حفظ قرآن کا ایک مدرسہ قائم تھا۔
جسے حافظ صدرالدین صاحب چلاتے تھے۔

حافظ صاحب کا مزار مالیرکوٹلے کے شاہی قبرستان میں واقع ہے۔ دوسرے بزرگ محمد ابراہیم خان تھے، یہ آکا صاحب کے تایا تھے۔ انہوں نے تحصیل داری کے عہدہ سے سبک دوش ہونے کے بعد بڑی عمر میں مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے حدیث نبوی کا درس لینا شروع کر دیا تھا۔

آکا صاحب پر ان دونوں بزرگوں کی زندگی کا بڑا اثر تھا اور خود ایک ان پڑھ کارخانہ دار ہونے کے باوجود انہوں نے مولانا اخلاق حسین کو پہلے قرآن حفظ کرایا اور پھر عربی تعلیم حاصل کرائی۔

مولانا قاسمی نے چھوٹی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا، مدرسہ عالیہ فتحپوری کے مشہور بابرکت استاد قاری فضل الدین صاحب پنجابی مولانا کے استاد تھے۔

حفظ قرآن سے فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ میں درس نظامی کی کلاسوں میں مولانا کا داخلہ ہو گیا اور چھ سال تک ممتاز علماء سے عربی علوم حاصل کئے۔

مدرسہ عالیہ کے اساتذہ میں مولانا اشفاق حسین صاحب کاندھلوی خلیفہ حضرت تھانویؒ مولانا ولایت احمد صاحب سنبھلی، مولانا فخرالحسن صاحب مرادآبادی اور مولانا قاضی سجاد حسین صاحب کرتپوری مولانا کے استاد تھے۔

مدرسہ عالیہ کے بعد مولانا نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے لیا اور ہندستان کی اس تاریخی دینی یونیورسٹی میں حدیث، تفسیر اور فقہ کی آخری کتابیں اس دور کے بلند پایہ علماء سے پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند کے شیخ مولانا حسین احمد مدنی تھے، ان کے علاوہ علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، مولانا محمد طیب صاحب، مولانا اعزاز علی صاحب، مولانا مفتی

محمد شفیع صاحب، مولانا عبدالسمیع صاحب حدیث وتفسیر کے استاد تھے۔ جن سے مولانا نے استفادہ کیا۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دار العلوم کے صدر مہتمم تھے اور مولانا نے بعد نماز فجر دار الحدیث میں تفسیر ابن کثیر کا درس شروع کر دیا تھا، مولانا نے مولانا عثمانی کے درس تفسیر سے بھی استفادہ کیا۔

فراغت کے بعد قاسمی صاحب نے مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ سے ارادت وتصوف کا تعلق قائم کرنے کی سعادت بھی حاصل کی۔

دار العلوم سے فراغت کے بعد مولانا قاسمی دورۂ تفسیر کے لیے مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ شاگرد خاص مولانا عبید اللہ سندھی کی خدمت میں تشریف لے گئے، اور مولانا سے تفسیر قرآن کی خصوصی سند حاصل کی۔ مولانا لاہوری ولی اللہی علوم کے خاص شارح ومفسر تھے۔

تحصیل علم کے بعد مولانا دہلی تشریف لے آئے — یہ سن ۱۹۴۳ء تھا۔ دہلی میں مولانا نے تفسیر قرآن کا سلسلہ شروع کر دیا اور ساتھ ہی مولانا احمد سعید صاحب دہلوی نے مولانا کو تفسیر قرآن (کشف الرحمٰن) کی ترتیب میں معاون کے طور پر اپنے ساتھ شامل کر لیا۔

مولانا احمد سعید صاحب کو خدا تعالیٰ نے حلقۂ علمار کرام میں قرآن کریم کے فہم اور تفہیم کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ پُر اثر خطابت و وعظ میں مولانا کو سحبان الہند کہا جاتا تھا۔ سحبان عرب کا ایک بڑا خطیب تھا'

مولانا احمد سعید صاحب اردو کے سب سے پہلے با محاورہ ترجمہ موضح قرآن شاہ عبد القادر صاحب دہلوی سے بہت دلچسپی رکھتے تھے بلکہ شاہ صاحب کے قدیم اردو محاورات کے واحد شارح سمجھے جاتے تھے۔

مولانا قاسمی کے لیے مولانا احمد سعید صاحب کی صحبت وتربیت بہت مفید

ثابت ہوئی اور مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کے ارشاد گرامی کے مطابق مولانا اخلاق حسین قاسمی تقریر و تحریر اور قرآن فہمی میں سحبان الہند کے جانشین اور مرحوم کی یادگار ہیں۔

تفسیر و ترجمہ کے ساتھ مولانا قاسمی جمعیۃ علماء ہند کے قائدین مولانا حفظ الرحمان صاحب مجاہد ملت اور مولانا محمد میاں صاحب کے ساتھ جماعتی اور قومی سرگرمیوں میں شامل ہو گئے کیونکہ وہ دور ہندوستان کی قومی اور ملکی سیاست کا بڑا ہنگامی دور تھا۔

کچھ عرصہ کے لیے مولانا حفظ الرحمن صاحب نے دلی وقف بورڈ کی صدارت کے دور میں مولانا قاسمی کو دینی شعبہ کے انچارج کے طور پر اپنے ساتھ رکھا۔

۶۱ء کے انتخابات میں مجاہد ملت کے مشورہ پر مولانا قاسمی نے میونسپل کونسل کا الیکشن کانگریس کے ٹکٹ پر لڑا اور پانچ سال تک کارپوریشن دلی کے ممبر اور ایجوکیشن کمیٹی کے وائس پریسیڈنٹ رہے۔

فرقہ وارانہ فسادات میں جمعیۃ علماء کے امدادی کاموں میں رات دن ایک کر کے۔ مولانا نے ہندوستان کے کونہ کونہ کا دورہ کیا، جمعیۃ علماء کے اجتماعات اور دینی مدارس کے تعلیمی جلسوں میں شرکت کی۔ مولانا قاسمی کو ایک عوامی خطیب اور اتحاد و یک جہتی کے داعی کے طور پر سارے ملک میں مقبولیت حاصل ہے۔ اور خاص طور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر مولانا قاسمی کی خطابت علمی اور تحقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت شگفتہ، عام فہم اور دلی کے پر اثر ادیبانہ اسلوب کا بہترین نمونہ ہوتی ہے۔

مولانا نے فرقہ پرست اخبارات اور فرقہ پرست لیڈروں کے اشتعال انگیز بیانات سے حکومت ہند کو آگاہ کرنے کے لیے چار کتابچے فرقہ پرستی

کی آگ کے نام سے شائع کئے، جن پر دلی کرائم برانچ نے مولانا پر دفعہ ۱۵۳، الف کے تحت چار مقدمے قائم کر دیئے جو ۶۶۸ سے ۸۰ تک بارہ برس تک چلتے رہے، اور مولانا نے اپنی دینی اور قومی مصروفیتوں کے باوجود نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ان مقدمات کی پیروی کی اور ہر قسم کی تلخی سے محفوظ رہ کر ملک کی سیکولر سرگرمیوں میں حصّہ لیتے رہے۔

مولانا قاسمی نے دلی کے مشہور قدیم عربی مدرسہ حسین بخش جامع مسجد میں ۶۴۵ سے کئی سال تک حدیث و فقہ کی بڑی کتابوں کا درس دیا اور مدرسہ میں جمعہ کی امامت وخطابت کا منصب سنبھالا جو آج تک قائم ہے۔

اس منصب پر ہندوستان کے بڑے بڑے علما، مولانا نوازش علی (مجاہد جماعت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ) مولانا کرامت اللہ خاں صاحب خلیفہ مجاز حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ مولانا محمد حسین صاحب فقیر خلیفہ مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی، مولانا عبدالشکور صاحب دیوبندی مہاجر مدنی اور مولانا احمد سعید صاحب دہلوی فائز رہے ہیں۔

یہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے دس سال پہلے قائم ہوا۔ مولانا قاسمی اس تاریخی ممبر پر پچاس سال سے قرآن وحدیث کے حقائق بیان کر رہے ہیں اور وقتی مسائل میں مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کا فرض ادا کر رہے ہیں۔

مولانا نے ۱۹۵۲ء میں ایک تبلیغی اور اشاعتی ادارہ (رحمت عالم) قائم کیا، جس سے پچاس سے زائد اردو، ہندی اور انگلش کے کتابچے بلا قیمت تقسیم کئے گئے۔

مولانا نے اس ادارہ کی طرف سے نظام ملت کے نام سے ایک علمی اور تبلیغی ماہنامہ ۱۹۶۶ء میں جاری کیا۔ مگر آج کل کوئی اخبار اور ماہنامہ کسی نہ کسی مسلم

سفارت خانہ اور کسی سیاسی پارٹی کا سہارا حاصل کئے بغیر نہیں چل سکتا اور مولانا قاسمی کی غیر جانب داری اور بے لاگ حق گوئی اس کی متحمل نہیں ہو سکی اور مولانا کو یہ ماہنامہ سرمایہ کی قلت کے سبب بند کرنا پڑا۔

مولانا قاسمی نے مولانا احمد سعید کے دور صدارت (جمعیۃ علماء دلی اسٹیٹ) میں ریاستی جمعیۃ علماء کے ناظم کی حیثیت سے اور مولانا مرحوم کے انتقال کے بعد صدر کی حیثیت سے دلی کے مسلمانوں کی مذہبی اور قومی رہنمائی کا فرض ادا کیا۔

سنہ ۱۹۵۰ء میں دو سال تک مرکزی جمعیۃ علماء ہند کی نظامت سنبھالی۔ یہ دور مولانا اسعد صاحب مدنی کی صدارت کا تھا۔

مولانا نے سنہ ۱۹۸۲ء سے سنہ ۱۹۸۶ء تک جامعہ رحیمیہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی میں بحیثیت مہتمم اور شیخ التفسیر اس ادارہ کی خدمت کی اور حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کے سرہانے بیٹھ کر ولی اللہی علوم کی روشنی میں قرآن کریم کی تفسیر کا درس دیا۔

مسلم پرسنل لا، کی تحریک کے دور میں مولانا قاسمی دلی کی ریاستی شاخ کے کنوینر تھے اور اس کی طرف سے مسلم پرسنل لا، کی ضرورت اور حفاظت کے موضوع پر کئی اہم کتابیں ترتیب دے کر شائع کیں جنمیں ایک اہم کتاب "مسلم معاشرہ پر عورت کا احسان" ہے جو عام مذاق سے ہٹ کر لکھی گئی ہے۔ اور اس میں بتایا گیا ہے کہ طلاق وعدت کے مسائل میں صرف فقہی جزئیات ہی کو نہ دیکھا جائے بلکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ عورت شرعی فرائض سے بلند ہو کر معاشرہ کی کیا خدمت انجام دیتی ہے۔

تفسیر قرآن کریم شروع ہی سے مولانا کی دل چسپی کا مرکز رہا۔ چنانچہ تفسیر قرآن کے شعبہ میں مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کے موضح قرآن کے تفسیری اور علمی لطائف پر سات سو صفحے کی کتاب محاسن موضح قرآن ترتیب دے کر شائع کی۔

اس کتاب پر اکابر علم نے اپنی تقریظات میں اس کتاب کو اس صدی کا

علی شاہ کار قرار دیا، دوسری اہم خدمت موضح قرآن کو ایڈٹ کر کے املائی غلطیوں کی نشاندہی اور قدیمی محاورات اردو کی تشریح کے ساتھ ایک صحیح نسخہ کی ترتیب ہے جو کراچی کے مطبع ایچ، ایم سعید کمپنی میں زیر طباعت ہے۔

تیسری کتاب مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت ہے، جو مولانا آزاد کی اہم تفسیر ترجمان القرآن پر مکمل تبصرہ ہے اور مولانا آزاد کی قرآن فہمی پر واحد کتاب شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب بھی پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

تفسیر قرآن پر چوتھی اہم کتاب زیر ترتیب ہے، یہ مولانا آزاد کی قصص القرآن ہے جو ترجمان القرآن سے علیحدہ کر کے واقعات انبیا، پر ایک علیحدہ کتاب کی صورت میں شائع کی جائے گی۔

مولانا کی تصنیفات ہر موضوع پر علمی اور اصلاحی مواد پر مشتمل ہیں جن کی تعداد (۲۸) سے متجاوز ہے۔

ان تصنیفات کے علاوہ مولانا کے علمی مقالات اور مضامین کی بڑی تعداد ہے۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی پر کفر کا فتویٰ

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اصلاحی مشن کا ایک اہم حصہ یہ ہے کہ ہندوستان میں ہندؤں کی اکثریت کو اسلام سے متعارف کرانے اور انھیں اسلامی توحید کو سمجھنے کے لیے تیار کرنے کی غرض سے تالیف قلب کی اسلامی حکمت پر زور دیا جائے۔

مسلم حکومت کے زوال کے بعد ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے حق میں فضا، ساز گار بنانے کی غرض سے یہ کام بہت ضروری تھا اور مسلم حکومتوں

نے اس پہلو کو نظر انداز کیا تھا۔
اسلام کی دعوتی حکمت یہ ہے کہ جو اس نے عہد اول کے غیر مسلم طبقوں (اہل کتاب اور مشرکین عرب بنی اسماعیل) کے بارے میں اختیار کی کہ ان کے قدیم مذہبی پیشواؤں کے ساتھ احترام کا برتاؤ کیا جائے اور ان کے قدیم مذہبی اور قومی رسم ورواج پر تنقید کرنے میں احتیاط کی جائے اور حتی الامکان دل آزاری سے بچا جائے کیونکہ ضد اور نفرت پیدا ہونے سے انسانی ذہن حق پر غور وفکر کرنے سے محروم ہو جاتے ہیں۔

قرآن کریم نے ہدایت کی اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ خدا کے راستہ کی طرف حکمت اور خیر خواہی کے جذبہ سے بلاؤ۔ (النحل ۱۲۵)

اس حکمتِ تالیف قلب کے تحت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور ان کے بڑے صاحب زادے شاہ عبد العزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزی میں اور شاہ صاحب کے معاصر حضرت مرزا جان جاناں نے اپنے ملفوظات میں اور ان حضرات سے پہلے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں اس بات پر پورا زور دیا ہے کہ آخرت کی سزا (جہنم) انہی لوگوں کو دی جائے گی۔ جن پر تبلیغ اسلام مکمل درجہ میں کی جائے گی اور ان پر اسلام کی حجت تمام کر دی جائے گی ___ اور ابلاغ مبین اور اتمام حجت مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور ابلاغ کامل سے جو قومیں مسلمانوں کی غفلت کے سبب محروم رہیں گی وہ اعراف (درمیانی منزل) میں رکھی جائیں گی۔

اسی سلسلہ میں شاہ عبد العزیز صاحب اور حضرت مرزا صاحب نے ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتابوں (وید) کی تحقیق کی اور یہ ثابت کیا کہ قدیم ویدک مذہب

میں توحید کی تعلیم تھی اور ہندوؤں کے مشہور مذہبی پیشواؤں کے متعلق یہ امکان ہے کہ وہ اپنے اپنے وقت میں آسمانی ہادی تھے۔ البتہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ کی آسمانی کتابوں کی طرح ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں بھی ردو بدل کر دیا گیا اور ان میں عوام کی تسکین کے لیے مخلوق پرستی داخل کر دی گئی۔

یہ ساری بحث غیر مسلموں کی تالیفِ قلب کے لئے تھی۔ اور آج آزاد ہندوستان میں اس حکمت کی خاص ضرورت واہمیت ہے، جس کے لئے مسلمانوں کا ذہن تیار نہیں کیونکہ سیاسی حقوق کی لڑائی نے دونوں قوموں کے اندر سخت منافرت پیدا کر دی ہے۔

مولانا ابو الکلام آزادؒ اپنے اصلی مشن کے لحاظ سے شاہ صاحب کے دعوتی مشن کے علم بردار تھے۔ اور اسی فکر ولی اللہی کے تحت مولانا نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں غیر مسلموں کے لیے تالیف قلب اور رواداری کی حکمت پیش کی ہے جسے سیاسی طبقہ نے پسند نہیں کیا۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی بھی اس مسلک سے وابستہ ہیں۔ چنانچہ ویدوں کے مسئلہ میں ولی اللہی فکر کی تشریح کرتے ہوئے مولانا کے خیالات کی رواداری مولانا کے لیے سخت آزمائش بن گئی ہے اور مولانا پر علما، دہلی کے کچھ افراد کی طرف سے کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔ یہاں تک کہ مولانا پر جمعہ کے خطبہ میں کچھ لڑکوں کے ذریعہ مزاحمت کرائی گئی لیکن مولانا کے صبر اور استقامت نے اس شر وفساد کو دفع کر دیا اور بعد میں ان لڑکوں نے مولانا سے معافی مانگی اور بتایا کہ فلاں مولوی صاحب نے ہمیں اتنے روپیہ دے کر آپ کو نماز پڑھانے سے روکنے اور جھگڑا کرنے کے لیے ترغیب دی تھی۔

مولانا کا سیاسی مسلک

مولانا اخلاق حسین قاسمی علمار حق کے جس طبقہ سے وابستہ ہے۔ اسی طبقہ کا سیاسی مسلک مولانا کا مسلک رہا۔ لیکن ایمرجنسی کے دور کی زیادتیوں سے مجبور ہو کر مولانا نے کانگریس کے مقابلہ میں جنتا پارٹی کا ساتھ دیا اور دلی جنتا کے وائس پریذیڈنٹ بنائے گئے۔ جنتا حکومت میں بی جے پی کے بڑھتے ہوئے اثرات کو مولانا نے محسوس کیا اور پارٹی سے استعفا دے کر سرگرم سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی، اور اپنا تمام وقت تحریر و تعلیم کے دائرے میں محدود کر دیا اور نہایت اہم کتابیں اور مقالات تحریر کئے

حج بیت اللہ کی سعادت

مولانا قاسمی نے ۱۹۶۱ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ اس موقع پر سعودی عربیہ کے حکمرانوں نے مصر کے صدر جمال عبدالناصر کے سوشلسٹ خیالات کو سامنے رکھ کر علماء کی ایک مٹنگ میں عبدالناصر صاحب کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کر دیا۔

اس اجتماع میں ہندوستان کے مشہور عالم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب بھی شریک تھے اور ان کی شرکت کو ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندگی کا نام دیا جا رہا تھا۔

مولانا قاسمی نے اس موقع پر بڑی جرأت کا ثبوت دیا۔ سعودی عربیہ میں حکومت کی رائے کے خلاف کوئی شخص زبان نہیں کھول سکتا مگر مولانا نے اس فیصلہ کے خلاف بیان دیتے ہوئے کہا کہ مولانا ندوی کی شرکت ذاتی حیثیت

سے ہے، ہندوستان کے تمام مسلمان جمال ناصر کی تکفیر سے اتفاق نہیں رکھتے۔

اس بیان پر ہندوستان کے مخالف حلقے بہت برہم ہوئے اور دلی میں مولانا کی واپسی پر سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کی تیاریاں شروع کر دی گئیں لیکن مولانا کے ہم خیال حلقے کی جوابی کارروائی کے اعلان سے معاملہ دب گیا اور دلی حوض قاضی چوک پر مولانا کے استقبال میں ایک عوامی جلسہ کیا گیا۔

بغداد کانفرنس میں شرکت

۱۶، ۱۷، جون سنہ ۱۹۹۰ء میں حکومت عراق کی طرف سے صیہونیت کے خلاف موتمر اسلامی عراق کا عظیم تاریخی اجلاس منعقد ہوا، جس میں مولانا نے ہندوستانی وفد کے ایک رکن کی حیثیت سے شرکت کی، یہ دعوت براہ راست حکومت عراق کی طرف سے دی گئی تھی۔

مولانا نے اس موقع پر صدر صدام حسین کے عزم جہاد کی پرزور تائید کی اور ساتھ ہی صدام حسین صاحب کے اس مجاہدانہ فیصلہ کو مستقبل کے لیے ایک خطرہ قرار دیا، جو امریکہ اور امریکہ نواز عرب حکمرانوں کی باہمی سازش سے نمودار ہو سکتا تھا۔

چنانچہ وہ خطرہ سامنے آیا اور کویت پر عراق کے قبضہ کو نشانہ بنا کر امریکہ نے اپنے (۳۰) عیسائی اور عرب بادشاہوں کے ساتھ عراق پر حملہ کر دیا۔ یہ ۱۷، جنوری سنہ ۱۹۹۱ء کا حادثہ ہے۔

مولانا نے امریکہ کے اس حملہ کو اسلامی تاریخ کے پس منظر میں ہلاکو خاں کے بغداد پر حملے سے تشبیہ دی۔ مولانا کا یہ تاریخی بیان نئی دنیا جنوری سنہ ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا، اور ملک کے دوسرے اخبارات نے بھی اسے شائع کیا۔

مولانا قاسمی کی ڈائری کے چند اوراق

میری کہانی اسلام کی عظمتِ دوام کا معجزہ

اسلام خدا کا آخری دین ہے اور اسے قیامت تک انسانوں کی ہدایت کے لئے اور ہٹ دھرم انسانوں پر خدا کی حجت پوری کرنے کے لئے قائم و دائم رہنا ہے اور خدائی حفاظت اسے حاصل رہنی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ ہ (الحجر ۹)	ہم ہی نے اس کلام حق (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرتے رہیں گے
وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ہ (والضحیٰ ۵)	اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! تمہارا ہر آنے والا دور پہلے دور سے بہتر ہوگا۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے عالم اسباب میں اس حفاظت کا ظہور معجزانہ طور پر ہوتا رہا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے اس وعدہ نے ہر دور میں اور ہر سطح زندگی پر اپنے حیرت انگیز ظہور سے دنیا کے اندر اسلام کے دین حق ہونے کا یقین پیدا کیا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کی صداقت نے کیسی کیسی عظیم قوموں کو اپنی طرف کھینچا ہے اور ان سے سربلندئ حق کی خدمت لی ہے۔ اور اسی طرح قوموں میں سے بڑے بڑے ذہین اور باصلاحیت افراد کو اپنے آغوش میں لے کر انھیں اپنی خدمت کے لئے کھڑا کیا ہے۔

عروج و زوال قدرت کا اٹل قانون ہے۔ قومیں ہوں یا ادارے یا افراد، سب ہی اس قانون کی زد میں آتے ہیں۔ اور خدا کا وعدہ حق اپنے کام کے لئے دین کے معاون جس قوم اور جس گروہ میں سے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔

اَللّٰہُ یُعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ ؕ (انعام ۱۲۴)

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ اپنے پیغام کے لئے کسے مقرر کرے اور کون اس کا اہل اور حق دار ہے۔

اسی طرح رسالت کی نیابت کا معاملہ ہے۔ وہ کسے علم دین اور نیابتِ رسالت کے قابل سمجھتا ہے اور کسے اس سعادت سے بہرہ مند کرنا چاہتا ہے؟ اس راز کو وہی جانتا اور سمجھتا ہے۔

بڑے بڑے علمی اور دینی خاندانوں پر زوال آجاتا ہے اور نہایت گم نام خاندانوں میں سے ایسے افراد نکل آتے ہیں جن سے اسلام اپنی حفاظت اور اشاعت کا حیرت انگیز کام لے لیتا ہے اور اب بھی لے رہا ہے ؎

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است

خدا تعالیٰ نے کوئی دولت بھی، علم و ہدایت کی دولت ہو یا درہم و دینار اور سیاسی اقتدار کی دولت، ہمیشہ کے لئے کسی خاندان اور کسی قوم کی تحویل میں نہیں دی۔

اَھُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّکَ ؕ (زخرف ۳۲)

کیا وہ خدا کے فضل و کرم کو اپنی مرضی سے تقسیم کرنا چاہتے ہیں؟

تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ (آلِ عمران ۱۴۰)

یہ زمانہ کا اتار چڑھاؤ ہے جسے ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ منصب رسالت کے سوا ہر فضل و کمال کسبی اور اختیاری

ہوتا ہے اور اس میں انسان کی اپنی جدوجہد شامل ہوتی ہے۔ لیکن انسانی جدوجہد کا منشاء و محرک توفیق الٰہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ (انفطار ۲۹)

تم وہی چاہتے ہو جو اللہ رب العلمین چاہتا ہے۔

میری کہانی جس کا میں تذکرہ کرنا چاہتا ہوں کسی بڑے علمی اور روحانی خاندان کی کہانی نہیں، بلکہ ایسی کہانی ہے جس میں اسلام کی عظمتِ دوام کا اعجاز بول رہا ہے۔

یہ کوئی تاریخی تذکرہ بھی نہیں ہے۔ ذکر و موعظت ہے۔ اسلام کے بارے میں یقین اور اعتماد کی روشنی ہے۔

كَلَّآ إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهُ ۚ (مدثر ۵۵)

خبردار یہ ایک نصیحت نامہ ہے۔ جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔

مزا آتا ہے باتوں میں خدا کی ۔ بھلی لگتی ہیں باتیں مصطفےٰ کی
ہوئی باتوں میں منزل مفت کھوٹی ۔ کہانی ہے بڑی اور رات چھوٹی

(سر سید مرحوم)

نوٹ:- والد صاحب قبلہ کی تحریر کردہ متفرق یادداشتوں کو تعارف کے عنوان سے مرتب کر کے شروع میں پیش کر دیا گیا ہے اور جو واقعات موصوف نے تفصیل سے تحریر کئے ہیں وہ آپ ہی کے الفاظ میں آگے پیش کئے جا رہے ہیں۔

(ڈاکٹر) شریف حسین قاسمی
استاد فارسی دلی یونیورسٹی

دفعہ ۱۵۳، الف کے مقدمات

۱۹۵۲ء میں ہندوستان کے فرقہ پرست اخبارات ورسائل نے ہندُستانی مسلمانوں کے خلاف زہریلے اور منافرت انگیز پروپیگنڈے کا طوفان برپا کر دیا اور اس کے نتیجہ میں خوفناک مسلم کش فسادات پھوٹ پڑے۔

اس سلسلہ میں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ماتحت شاخوں کو سرکلر بھیجا گیا کہ اپنے اپنے علاقوں سے شائع ہونے والے فرقہ پرست اخبارات کے قابل اعتراض مضامین اور مسلم حکمرانوں کے خلاف شائع کی جانے والی فرضی تصاویر جمع کر کے مرکز میں بھیجی جائیں تاکہ مرکز کی طرف سے حکومت کے پاس مسلم دشمن پروپیگنڈے کا تمام مواد پہنچایا جائے۔

چنانچہ دلی جمعیۃ علماء کی شاخ کی طرف سے ناچیز نے اخبار پرتاپ دلی، مدر انڈیا بمبئی اور ہندو جالندھر، سے مواد فراہم کر کے ایک کتابچہ (بنام فرقہ پرستی کی آگ) مرکزی جمعیۃ علماء کے دفتر میں بھیج دیا اور براہ راست بھی ممبران پارلیمنٹ کے پاس پہنچا دیا۔

اس وقت دہلی میں جن سنگھ کا اقتدار قائم تھا۔ اس کے لیڈروں نے دلی کرائم برانچ کو ہدایت کر کے اس ناچیز پر اس کتاب کے سلسلہ میں چار مقدمات قائم کر دیئے۔

اس کتابچہ کے چار حصے علیحدہ علیحدہ تھے۔ یہ مقدمات بارہ سال تک چلتے رہے اور ہر مہینہ چار پیشیاں لگتی رہیں۔ مجھ پر الزام یہ تھا کہ میں نے ہندو مسلم منافرت پھیلائی ہے۔

دہلی کے مشہور ایڈوکیٹ بابو چراغ الدین صاحب قریشی (خدا انھیں خوش رکھے)
اس طویل عدالتی کارروائی کی نہایت خوش دلی کے ساتھ پیروی کرتے رہے۔ اور
اس ناچیز پر کسی قسم کا مالی بوجھ نہیں ڈالا۔

مقدمات کی بارہ سالہ طویل مدت اس ناچیز کے لئے بڑی صبر آزما تھی۔
مقدمات کی مسلسل پیروی اور ہر ماہ چار چار پیشیوں کی وجہ سے بیرونی اسفار
میں رکاوٹ پڑ گئی۔ اور اس دور میں اس ناچیز کا معاشی ذریعہ اس کے سوا
کچھ نہیں تھا۔

شکایت کے طور پر نہیں، شکر و سپاس کے طور پر کہہ رہا ہوں کہ یہ آزمائشی
دور خدائے تعالیٰ کے خاص فضل و کرم اور بزرگوں کی دعاؤں کے سہارے بڑی
استقامت کے ساتھ گذرا۔ بال بچوں نے روکھی سوکھی کھا کر ٹھنڈا پانی پیا۔ اہلیہ
نے جفاکفا کر کے گھر چلایا اور میرے دماغ پر بوجھ نہیں پڑنے دیا ؎

بے گانگیٔ خلق سے بے دل نہ ہو غالبؔ ٭ کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

مسلم قوم کا جذباتی ہونا ایک تاریخی حقیقت بن گیا ہے۔ وقتی طور پر یہ قوم
جذبات کی رو میں بہہ کر جان و مال کی بڑی سے بڑی قربانی پیش کر دیتی ہے لیکن
لمبی آزمائش میں مبتلا کسی مظلوم کی مالی اور اخلاقی اعانت کرنا اس قوم کے اہل ثروت
و اہل اثر کے بس کا کام نہیں ؎

بارِ الم اٹھایا، رنگِ نشاط دیکھا ٭ آئے نہیں ہیں یوں ہی انداز بے حسی کے

کیا دلّی خالی رہے گی ؟

دلی ہمیشہ اہل علم و فضل کا گہوارہ رہی ہے۔ اس کی کشش نے بڑے بڑے

اہلِ کمال کو باہر سے کھینچ کر بلایا اور اپنے سینے سے لگایا ہے۔ اور اس کی خاک پاک سے بھی بڑے بڑے اہلِ کمال اٹھے ہیں اور انھوں نے ہندوستان کے اس مرکز کی عظمت قائم رکھی ہے۔ لیکن تقسیمِ ہند کے بعد جہاں پوری ملتِ اسلامیہ قحط الرجال کی زد میں نظر آرہی ہے وہاں دِلّی بھی خاص طور پر خالی ہوتی جارہی ہے۔

مولانا محمد علی جوہر نے تو آج سے ساٹھ ستر سال پہلے کہا تھا ؎

رونقِ دہلی پہ رشک تھا کبھی جنت کو بھی
یوں ہی یہ اجڑا دیار دیکھئے کب تک رہے

مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت کے مقدمہ میں جب میں نے حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ امیر شریعت بہار کے یہ الفاظ پڑھے۔

"اور اب تو یہ کہنا چاہئے کہ دلّی گویا علماء سے خالی ہوچکی ہے اور اب دلّی میں مولانا اخلاق حسین قاسمی کے سوا اور کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس پر نگاہیں جم سکیں۔"

تو ان فقروں نے اس ناچیز کے دل ودماغ پر بجلی گرادی۔ بظاہر یہ اس ناچیز کی تعریف کے جملے ہیں لیکن درحقیقت ان جملوں میں مولانا محمد عثمان صاحب فارقلیطؒ ایڈیٹر اخبار الجمعیۃ کے اظہارِ غم کی صدا رسنائی دے رہی ہے۔ مولانا نے حضرت مولانا احمد سعید صاحب کی وفات پر اپنے تعزیتی آرٹیکل میں لکھا تھا۔

"کیا دلّی بانجھ ہورہی ہے، کیا اس کی کوکھ سے اب حکیم اجمل خان، آصف علی اور مولانا احمد سعیدؒ جنم نہیں لیں گے؟"

مت سہل ہمیں جانو! پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے (میرؔ)

سن ناچیز کی صحت کمزور ہوتی جارہی ہے۔ تین تین گھنٹے بے تکان

تقریر کرنے والے اور صبح وشام تفسیر قرآن بیان کرنے والے میں اب نہ سفر کرنے کی زیادہ طاقت ہے اور نہ طویل طویل تقریریں کرنے کی قدرت ہے۔

مدرسہ حسین بخش میں جمعہ کی مختصر تقریر کے علاوہ ہفتہ میں صرف دو دن مسجد سید رفاعی جامع مسجد میں تفسیر قرآن بیان کرتا ہوں۔ باقی اوقات زیادہ تر تحریری کاموں میں گذارتا ہوں۔ آخری آرزو اور دعا یہ ہے کہ مستند موضح قرآن کے مسودہ پر آخری تصحیحی نظر ڈال کر اسے مکمل کر دوں تاکہ اس ناچیز کے سامنے وہ زیور طبع سے آراستہ ہو جائے۔ اور یقین ہے کہ خدائے تعالیٰ اس عاصی کی آرزو و دعا پوری کرے گا اور قبول فرمائے گا۔

(نوٹ) ۱۹ ر رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ مطابق ۵ ر اپریل ۱۹۹۱ء کو الحمدللہ مستند موضح قرآن کے کتابت شدہ مسودہ پر آخری نظر کا کام مکمل ہو گیا۔ انشاء اللہ اس سال طباعت کی منزل میں داخل ہو جائے گا۔

خدا کی حفاظت

زندگی میں چار واقعات ایسے پیش آئے جن پر یہ مثل صادق آتی ہے کہ "جسے خدا رکھے اسے کون چکھے"۔

تقسیم کے فوراً بعد اپنے اعزہ سے ملنے کراچی جانا ہوا۔ واپسی کھوکھراپار کے راستہ سے ہوئی۔ اس وقت (۱۹۴۹ء میں) سندھ سے ہندوؤں کا اخراج زوروں پر تھا۔ دلی آنے والی میل گاڑی میں تل رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ ساری گاڑی چھان ماری۔ ہر ڈبہ کھچا کھچ سندھیوں سے بھرا ہوا تھا۔ جس ڈبہ میں جھانک کر دیکھا، ہندو سندھیوں کی قہر آلود نگاہوں کا سامنا ہوا۔ گاڑی چل پڑی۔ آخری ڈبہ میں خدا کا نام لے کر چڑھ گیا۔ یہ ڈبہ سندھی سادھوؤں سے بھرا ہوا تھا۔ گیٹ پر

بھی سادھو بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ ان کی آنکھوں میں بھی خون اتر آیا۔ ڈبہ کھولنے کی التجا کی مگر بے سود۔ آخر کار گاڑی پر چڑھ گیا اور کھڑکی کے اندر ہاتھ ڈال کر کھڑا ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ اب خیر نہیں۔ وقت آگیا ہے۔ یہ سادھو راستہ میں مجھے دھکا دیدیں گے۔ گاڑی فراٹے بھر رہی تھی اور میرا خون خشک ہو رہا تھا۔ خدا خدا کر کے آدھ گھنٹہ کے بعد ایک اسٹیشن آیا۔ گاڑی رکی۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں اور سہمے ہوئے چہرہ سے اندر ڈبہ میں جھانک کر دیکھا کہ شاید کوئی سادھو ترس کھا لے۔ ایک آواز، جو غیبی آواز معلوم ہوئی، آئی، "مولوی صاحب کو اندر آنے دو۔" یہ ایک بوڑھے سادھو کی آواز تھی جو ان کا گرو معلوم ہوتا تھا۔ سادھوؤں نے کھڑکی کھول دی۔ اس سادھو نے مجھے اپنے سامنے والی سیٹ پر بٹھایا۔ میرے چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس نے مجھے تسلّی دی اور پانی پلایا۔ اسی ڈبہ میں میں سہما سہما بیٹھا رہا اور دہلی پہنچ گیا۔

دوسرا واقعہ چاوڑی بازار گلی بجرنگ بلی کے سامنے پیش آیا۔

رات کو مسجد کھجور والی تراہا بہرام خاں سے تفسیر بیان کر کے آرہا تھا۔ دہلی کی فضا بظاہر صاف ہو چکی تھی۔ ۱۹۴۹ء کا آغاز تھا۔ جامع مسجد سے سواری نہیں ملی۔ میں پیدل چل پڑا۔ ہلکی ہلکی بوندیں پڑ رہی تھیں۔ جب میں گلی مرغان (بجرنگ بلی) کے سامنے آیا تو پیچھے سے کسی نے میرے چپڑا اس ماری۔ میں گرتے گرتے رہ گیا اور تیزی سے چل کر حلوائی کی دُکان کے سامنے اپنے آپ کو سنبھالا۔ سڑک پر سناٹا تھا، مگر حلوائی کی دُکان کی روشنی سڑک پر پڑ رہی تھی۔

دفتر جمعیۃ علماء میں اس محلہ کی شکایات آتی رہتی تھیں کہ اِکّے دُکّے پر اس محلہ کے اندر سے حملے کئے جاتے ہیں اور پھر زخمی کو محلہ کے اندر لے جاتے ہیں اور لاش کو غائب کر دیتے ہیں۔

میرے واقعہ کے بعد مولانا حفظ الرحمن صاحب نے فوراً مسٹر سلطان یار خاں صاحب وکیل کو تھانہ حوض قاضی بھیجا اور انچارج (جگن ناتھ) کو ہدایت کی کہ وہ اس محلہ پر پولیس کے آدمی کھڑے کرے۔ دوسرے دن مولانا مجھے ساتھ لے کر مسز مردولا بہن کے پاس گئے۔ مردولا جی کو پنڈت نہرو نے دہلی کے حالات کی ذمہ داری سونپ رکھی تھی۔

تیسرا واقعہ، میرے پڑوس کی گلی (بہرام بیگ) میں پیش آیا۔ ہوا یہ کہ ارشاد الٰہی صاحب ورق والے (حافظ قاضی اشتیاق صاحب کے والد) دفتر جمعیۃ میں آئے اور مولانا سے شکایت کی کہ میری بکری بہرام بیگ والے پکڑ کر لے گئے۔ یہ گلی مسلمانوں سے خالی ہو گئی تھی اور اس میں انتہائی شر پسند لوگ آ کر بس گئے تھے۔ مولانا نے مجھے اور حکیم محمد کامل صاحب کو بھیجا۔ ہم دونوں وہاں پہنچے۔ محلہ کے فسادی شرنارتھی ہم پر ٹوٹ پڑے۔ حکیم صاحب میرے پیچھے تھے، وہ جلدی بھاگ کر دفتر جمعیۃ پہنچ گئے اور مولانا کو اس حملہ کی خبر پہنچائی۔

میرا یہ حال کیا گیا کہ چھتوں پر سے عورتوں نے کیچڑ اور گوبر کی بالٹیاں ڈالنی شروع کر دیں۔ مارو، مارو کے شور سے کٹرہ شیخ چاند کی چھتوں پر مسلمان آ گئے اور میرا نام لے کر شور مچایا، مولانا پر حملہ کر دیا۔ اس شور و غل سے گھبرا کر لوگوں نے میرا پیچھا چھوڑا اور میں بھاگ کر دفتر جمعیۃ علماء پہنچ گیا۔ مولانا نے میری یہ حالت دیکھی۔ ارشاد صاحب دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حسب عادت مولانا ان پر ناراض ہوئے۔ آپ کو اپنی بکری کی فکر تھی، ابھی ہمارے آدمی مارے جاتے تو کیا ہوتا۔ وہ بیچارے شرمندہ ہوئے اور گھر چلے گئے۔

چوتھا واقعہ، ہولی کے موقع پر چاوڑی بازار میں پیش آیا۔ یہ آزادی کی

پہلی ہولی تھی۔ میں گھر سے دفتر جمعیۃ کباڑی بازار جامع مسجد کے لئے چلا۔ میرے ساتھ محمد اسماعیل صاحب غوری (پہلوان) تھے۔ بڑ شاہ بولا پر ہمیں ہولیاروں نے گھیر لیا۔ ہم تانگے میں سوار تھے۔ تانگے والا ڈر کر بھاگ گیا۔ ہمارا تانگہ ٹریم وے کی لائن پر کھڑا ہو گیا۔ چاروں طرف سے ہلڑ بازی ہو رہی تھی۔ کسی شر پسند نے ٹریم وے چلادی۔ وہ تو خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ٹریم وے کی گھڑ گھڑاہٹ سے چمک کر گھوڑا بھاگ پڑا، ورنہ ٹریم وے کی ٹکر سے تانگہ پلٹ جاتا۔

اسی حال میں ہم مولانا احمد سعید صاحبؒ کے پاس آئے۔ مولانا کے پاس مسلمانوں پر ہولیاروں کی ہلڑ بازی کی شکایات آ چکی تھیں۔ ہماری حالت مولانا نے آنکھوں سے دیکھی اور ڈپٹی کمشنر کو فون پر بتایا کہ شہر کی حالت کس قدر خراب ہے۔

آزادی کی کئی ہولیاں مسلمانوں کے لئے قیامت بن کر آتی رہیں۔

چند یادگار خواب

خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سچے خواب کی نوعیت ہے۔ خوابوں کی ایک قسم خیالی خواب (اضغاث احلام) ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

اس ناچیز نے بعض خاص خاص حالات و تاثرات میں چند خواب دیکھے ہیں جن کا نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) حضرت امام حسنؓ کی زیارت

یکم دسمبر ۱۹۸۹ء کو ترلوک پوری دہلی کے ایک جلسہ سیرت النبی میں حضرت فاطمہ زہراؓ کا ذکر پاک آیا۔ رات کو خواب میں حضرت امام حسنؓ کی زیارت نصیب ہوتی۔ پہلے ایک تصویر سامنے آئی۔ یہ ایک نہایت خوب صورت اور بھاری بھر کم شخص کی تصویر تھی۔ بتایا گیا کہ حضرت امام حسنؓ کی تصویر ہے۔ میں بے ساختہ اسے چومنے لگا۔ پھر اس تصویر کے مطابق ایک ہستی نمودار ہوئی۔ اس ہستی کو کچھ لوگ زبردستی اٹھا کر لے جانے لگے۔ میں اس مظلومیت سے بے حد متاثر ہوا اور زار و قطار رونے لگا۔ (تحریر ہفتہ ۲ر دسمبر ۱۹۸۹ء)

تعبیر خواب ظاہر ہے۔ میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے حادثہ فاجعہ کے ساتھ حضرت امام حسنؓ کی صلح پسندی اور پھر شہادت خفی (زہر خورانی) کے واقعہ کو بھی اہمیت کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔ اس خواب میں اس کی تائید ہے۔

(۲) حضرت محبوب الٰہی کی زیارت

مشائخ چشت کے ملفوظات میں فوائد الفواد روحانی تاثیر کے لحاظ سے بڑی کامیاب کتاب ہے۔ اس میں حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات کو آپ کے مرید خاص خواجہ حسن علاؒ نے ترتیب دیا ہے۔ ۸ر نومبر ۱۹۸۴ء کو فوائد الفواد کا اردو ترجمہ پڑھ کر سویا۔ قلب پر کافی اثر رہا۔ چنانچہ بوقت صبح قبل اذان فجر یہ خواب دیکھا کہ حضرت سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آپ ایک دیہاتی جھونپڑی میں ایک نہایت پر فضا مقام پر تشریف فرما ہیں۔ آپ کی شخصیت نہایت پر کشش تھی۔ واقعی محبوبیت طاری تھی۔ کافی دیر تک حضرت کے پاس

حاضری رہی۔ حضرت نے ایک پیالہ عطا فرمایا، جس میں سے پہلے خود نوش فرمایا۔ پھر اس ناچیز نے اسے منہ سے لگایا اور خالی کر دیا۔

استاد مکرم حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے متعلق آتا ہے کہ ایک روز بیماری کے ایام میں مولانا محمد یوسف صاحب حضرت جی نظام الدین اولیاء سے آپ کی عیادت کے لئے آئے مولانا نے پوچھا، کہاں سے آرہے ہو؟ مولانا نے فرمایا، نظام الدین سے۔ حضرت مدنی نے کہا، ہاں، مولانا! لوگ پہلے یہ کہتے تھے کہ حضرت محبوب الٰہی سے آیا ہوں۔ پھر یہ کہا جانے لگا کہ حضرت نظام الدین اولیاء سے آیا ہوں۔ اور اب یہاں آگئے کہ صرف یہ کہتے ہیں کہ نظام الدین سے آیا ہوں۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے معذرت کی۔ تبلیغی جماعت کے رہنما حضرات اولیاء کرام کے نام بڑی عزت سے لیتے ہیں۔ اس وقت مولانا محمد یوسف صاحب نے جلدی میں مختصر کر کے نام لیا۔ حضرت مدنی نے ایک مشفق مربی کی حیثیت سے اس پر بھی تنبیہ فرمائی۔

(۳) مولانا مدنیؒ، مولانا سندھیؒ، مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد میاںؒ کی زیارت

یہ اس دور کا واقعہ ہے جب یہ خاکسار حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ کی تقویت الایمان کے دفاع میں "شاہ اسماعیل شہید اور ان کے ناقد" نامی کتاب لکھ رہا تھا۔ یہ کتاب جواب ہے مولانا ابوالحسن صاحب زید فاروقی کی کتاب کا، جس میں شاہ صاحب قبلہ نے نہایت کمزور دلائل کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ مولانا شہید کی یہ کتاب شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی

کتاب التوحید کا چربہ ہے۔ شاہ صاحب نے اس تنقیدی کتاب میں علمی اور تحقیقی انداز چھوڑ کر کئی مقام پر حضرت شہیدؒ کی شخصیت کو گرانے کی قابل مذمت کوشش کی ہے۔

اس دور میں ۳۱ مارچ ۱۹۸۴ء مطابق ۲۷ جمادی الثانی ۱۴۰۴ھ کو یہ خواب دیکھا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ اور مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے درمیان بیٹھا ہوں اور ہم سب دعاء کر رہے ہیں۔ دعاء کرتے ہوئے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ دعاء ختم ہو گئی۔ یہ واقعہ مسجد فتحپوری میں پیش آیا۔ دعاء کے بعد میں مسجد فتحپوری سے باہر آنے لگا۔ اس وقت خیال آیا کہ میں نے حضرت مدنی سے مصافحہ کیوں نہیں کیا؟ یہ خیال آتے ہی حضرت مدنی پھر نمودار ہو گئے۔ مولانا کھادی کی بادامی رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ مولانا نے اپنا کرتہ اتار کر اندر سے صدری نکالی اور مجھے حکم دیا کہ اس میں روئی بھروا دو۔ وہ صدری سبز رنگ کی ساٹن کی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ آدھ سیر روئی بھروا دوں؟ اور مولانا اسعد میاں کی طرف دیکھ کر کہا کہ گھر میں نگندے پڑ جائیں گے یا نگندے بھی ڈلوا دوں؟ مولانا مدنی نے فرمایا کہ ہاں، نگندے بھی ڈلوا دینا۔

میری آنکھ کھل گئی اور اس خواب کے تاثرات مجھ پر اتنے گہرے طاری ہوئے کہ میں کافی دیر تک روتا رہا۔ اور اس کی تعبیر اس وقت میرے دل میں یہ آئی کہ مولانا مدنی نے میرے اس مضمون کی تائید فرمائی ہے۔

اس کتاب کی ترتیب کے دوران مجھے مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا محمد میاں صاحب کی زیارت بھی ہوتی رہی۔ مولانا زید صاحب نے اپنی کتاب "مولانا محمد اسماعیل اور تقویت الایمان" میں روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بارے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس مسئلہ میں جو مسلک

امام ابن تیمیہؒ کا ہے وہی مولانا شہیدؒ کا ہے۔

اس ناچیز نے ایک باب میں زید میاں صاحب کے اس غیر مدلل اور محض قیاسی دعوی کی بہ دلائل تردید کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت شہید اس اہم مسئلہ میں جمہور امت کے ساتھ ہیں۔

اسی باب کی ترتیب سے مولانا مدنیؒ کی روح مبارک کو خوشی حاصل ہوئی۔ کیونکہ ہمارے اکابر دیو بند روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بالقصد اور بالارادہ زیارت کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ کا مسلک اس سے مختلف ہے۔

حضرت مدنیؒ کا روحانی فیض عام

اس ناچیز نے حضرت مدنیؒ کے ہاتھ پر بیعت ضرور کی لیکن دارالعلوم سے فراغت کے بعد جماعتی مصروفیتوں اور گھریلو پریشانیوں کے سبب حضرت سے باقاعدہ روحانی تربیت حاصل کرنے کا موقع نصیب نہیں ہوا۔ حضرت مدنیؒ جب دہلی تشریف لاتے تو دفتر جمعیۃ علماء ہند میں قیام کے دوران بھی حضرت سے تقرب نہ ہوتا بلکہ مصافحہ کر کے میں ادھر ادھر ہو جاتا کیونکہ میرے دل پر حضرت کی روحانی ہیبت قائم تھی۔ مولانا کی ذات گرامی میں محبوبیت تھی، پیار تھا، شفقت تھی۔ لیکن دارالعلوم کے قیام میں درس حدیث کے دوران ایک استاد کی جو ہیبت دل پر قائم ہوتی ہے وہ آخر وقت تک میرے دل پر قائم رہی۔ میں اپنے وجود کو ایک گناہ گار وجود سمجھ کر حضرت کے سامنے ہونے کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔ بخاری شریف کا درس آخر سال کافی رات تک ہوتا تھا اور میں نیند کا بہت کچا تھا۔ درس میں جب نیند غالب ہو جاتی تو درس گاہ میں اونگھنے

کے بجائے باہر آکر کسی ٹوٹے ہوئے جھولے پر پڑ جاتا۔
پھر سبق ختم ہونے اور حضرت کے ادھر سے گذرنے کا خوف سوار ہو جاتا
آنکھیں ملتا ہوا درس گاہ میں پیچھے کی قطار میں بیٹھ جاتا۔ لیکن اس کمزور ظاہری
تعلق کے باوجود میں حضرت مدنیؒ کے روحانی تصرف کے واقعات بیان کرنے
سے قاصر ہوں۔ زندگی میں کوئی سخت واقعہ ایسا نہیں آیا جس میں حضرت
مدنیؒ کی خواب میں زیارت نہ ہوئی ہو اور اس زیارت سے قلب نے قوت
محسوس نہ کی ہو۔

ایک موقع پر دیکھا کہ مولانا مدنیؒ، مولانا قاضی سجاد حسین صاحبؒ اور
قاری فضل الرحمٰن صاحب (امروہہ) کے ہمراہ کشمیر تشریف لے جا رہے ہیں
اور فرما رہے ہیں کہ (مولانا) اسعد کشمیر گیا ہے۔ میرے علم میں بھی نہیں تھا
کہ مولانا اسعد صاحب کشمیر گئے ہیں۔ خواب دیکھنے کے بعد پتہ چلا کہ مولانا صاحب
قومی یکجہتی کونسل کے ممبر کی حیثیت سے سری نگر تشریف لے گئے ہیں۔ یہ اولاد
سے ماماتا کا فطری تعلق تھا۔

ایک بڑے فرقہ وارانہ فساد کے موقع پر دیکھا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک
فل بوٹ (جو مولانا سردیوں میں پہنا کرتے تھے) اور فوجی لباس پہنے ہوئے
کہیں جانے کی تیاری فرما رہے ہیں۔ صبح کو معلوم ہوا کہ اس فساد زدہ علاقہ
کا دورہ کرنے کے لئے مولانا اسعد میاں صاحب تشریف لے جا رہے ہیں۔

مولانا انظار الدین صاحب۔ دار العلوم دیوبند میں میرے ساتھ
مولانا انظار الدین صاحب دہلوی بھی تھے۔ ان کا حضرت مدنیؒ کے ساتھ
روحانی ذکر و اذکار میں مراسلت کا باقاعدہ تعلق قائم تھا۔ مولانا انظار صاحب
۱۹۴۷ء میں ترک وطن کر کے کراچی چلے گئے اور وہاں کے حوادث کی تاب

نہ لاکر دماغی توازن کھو بیٹھے۔ میں جب پہلی بار کراچی گیا تو ان کی عجیب کیفیت دیکھی۔ جوش میں آکر یہ کہتے تھے۔" لیاقت علی خاں سے کہو کہ وہ کرسی چھوڑ دے۔ حضرت مدنیؒ آکر پاکستان کو سنبھالیں گے۔" میں نے واپس آکر حضرت مدنی سے ان کی حالت بیان کی۔ فرمایا "انھیں دہلی بلالو، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔"

افسوس! ان کے والدین نے مولانا کو دہلی نہ بھیجا اور ایک ہونہار فاضل زندگی بھر کے لئے بے کار ہو گیا۔ اب ان کی حالت یہ ہے کہ خاموش رہتے ہیں اور بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ انظار الدین صاحب کی دماغی تکلیف کا اصل سبب یہ تھا کہ انھوں نے آرام باغ میں جو مسجد تعمیر کرائی اس میں امامت اور خطابت تو وہ خود کرتے تھے مگر انھوں نے بڑی بھاری غلطی یہ کی اپنے استاد مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو دعوت دے کر مسجد میں دارالافتاء قائم کرایا۔ مفتی صاحب کے ایک داماد صاحب بڑے حضرت تھے۔ انھوں نے مسجد میں قدم جما کر انظار الدین صاحب کے خلاف مورچہ لگا دیا اور حضرت مدنیؒ کے ساتھ تعلق کی بناء پر ان کے کانگریسی ہونے کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ اس صدمہ کو انظار صاحب برداشت نہ کر سکے اور پاگل ہو گئے۔

(۴) حضرت تھانویؒ کی زیارت

اس ناچیز نے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا دور پایا، لیکن ان کی زیارت سے مشرف ہونے کا موقع نہیں ملا، کیونکہ دارالعلوم میں میرا تعلق حضرت مدنیؒ کے حلقہ سے تھا۔ میرا قیام پہلے سال مولانا سلطان الحق صاحبؒ بجنوری کے مکان پر رہا۔ دوسرے سال میں اور مولانا انظار الدین اور ان کے تین بھائی (حکیم انوار الدین صاحب طبیب کراچی وغیرہ) دارالعلوم کے قریب ایک کرایہ کے مکان میں

منتقل ہو گئے۔ مولانا سلطان الحقؒ صاحب بجنوری گروپ کے لیڈر تھے اور سیاسی اعتبار سے سخت کانگریسی تھے۔ مولانا مدنیؒ اور مولانا تھانویؒ دونوں بزرگ سیاسی نظریات میں اختلاف رکھنے کے باوجود آپس میں انتہائی مخلص تھے مگر نیچے کے لوگ اس اختلاف کو بہت ہوا دیتے تھے اور یہ دونوں طرف سے تھا۔ اس شدت کی وجہ سے مجھے مولانا تھانوی کی زیارت کا موقع نہیں ملا، جس کا مجھے زندگی بھر قلق رہے گا۔

ایک روز درس تفسیر میں سورۃ نساء کی آیت ۱۷ زیر بحث تھی۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ ۝

توبہ جس کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ تو ان ہی کی ہے جو حماقت سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ پھر قریب ہی توبہ کر لیتے ہیں۔

مترجم حضرات نے عام طور پر جہالت کا ترجمہ نادانی (عدم علم) کیا ہے اور حضرت تھانوی نے جہالت کا ترجمہ حماقت (سفاہت) کیا ہے جس سے آیت کا مفہوم بغیر کسی اشکال کے واضح ہو جاتا ہے۔ اسی دن رات کو (۲۴ جنوری ۱۹۹۰ء) مولانا تھانوی خواب میں تشریف لائے۔ میں نے مصافحہ کے ساتھ مولانا کے ہاتھ چومنے کا ارادہ کیا اور اپنا سر جھکایا۔ مولانا نے اپنا ہاتھ کھینچنے کے لئے اپنا سر جھکایا اور مولانا کی سفید گھنی ڈاڑھی ان کے ہاتھ پر پڑ گئی اور میں نے ہاتھ کے بجائے مولانا کی نورانی ڈاڑھی کا بوسہ لے لیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی زیارت

جس زمانہ میں یہ ناچیز حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے

چھوٹے مگر سب سے زیادہ صاحب نسبت صاحبزادے شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ترجمۂ قرآن (موضح قرآن) پر تحقیقی کام کر رہا تھا اس دور میں اس ناکارۂ خلق کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی زیارت ہوئی۔

شاہ صاحب صاحبِ فراش تھے اور بے انتہا کمزور و لاغر نظر آرہے تھے۔

اس ناچیز نے اس خواب کی یہ تعبیر لی کہ شاہ صاحب کو اپنے صاحبزادے کا یہ نادر و بے مثال ترجمہ بے حد پسند ہے اور اہل مطابع اور اہل علم کی بے توجہی سے اس ترجمہ و فوائد میں جو کتابتی اغلاط اور فوائد میں بعض جگہ اہل باطل کی تحریفات واقع ہوگئی ہیں ان کا صدمہ ہے اور اللہ تعالیٰ اس ناچیز سے اس ترجمہ کی تصحیح و تحقیق کا کام لینا چاہتا ہے۔

الحمد للہ ان بزرگوں کی دعاؤں سے خدا تعالیٰ نے اس خاندان کے تفسیری علوم کی تشریح و تحقیق پر اس بندہ سے دو عظیم کام لئے اور اسی کے ساتھ اس خاندان کے چشم و چراغ حضرت شاہ شہیدؒ (بقول مولانا آزاد، سلطانِ وقت) کے دفاع میں ایک کتاب تحریر کرائی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ خاص شاہ ولی اللہؒ کو ان کی اولاد کی طرف سے وصال کے وقت جو تسلّی عطا فرمائی اس تسلّی سے اس خادمِ خاندانِ ولی اللّٰہی کو بھی نوازے

شاہ صاحب کو وصال کے وقت اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کا خیال آگیا اور اضطراب کے عالم میں آپ کے منہ سے نکلا۔ "الٰہی! میرے یہ چھوٹے بچے؟" ندا آئی، "ولی اللہ! یہ بچے تیرے یا میرے؟"

شاہ صاحب متنبہ ہوئے اور فرمایا، "الٰہی میرے نہیں، تیرے۔"

اَنْتَ وَلِیِّ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ج تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ہ

ابا اور اماں کی زیارت

یوں تو اپنے ان دونوں مربیوں کو مختلف اوقات میں خواب کے

اندر دیکھا، لیکن ایک دن بڑی عجیب شان میں دونوں کی زیارت ہوئی۔

دیکھا کہ ابا مرحوم (آکا شرف الدین خاں مرحوم) ایک بلند مقام پر بیٹھے ہیں اور روزہ افطاری کی پلیٹ ان کے سامنے رکھی ہے، جیسے وقتِ افطار کا انتظار کر رہے ہوں۔

ابا مرحوم رمضان المبارک کے تیسوں روزے بڑے اہتمام سے رکھتے تھے۔ دہلی کے کارخانہ دارانہ ماحول کی زندہ دلی مشہور رہی ہے، لیکن میں نے ابا مرحوم اور ان کی پارٹی کو دیکھا کہ رمضان المبارک شروع ہوتے ہی ان حضرات کے اندر روزہ نماز اور تراویح کا اتنا اہتمام ہونے لگتا تھا جتنا ایک خانقاہی صوفی اور ایک شب زندہ دار عابد کے اندر ہونا چاہیے۔

اماں مرحومہ (محمدی بیگمؒ) کی طرف سے ایک دن کچھ وہم دل میں پیدا ہوا۔ اسی دن رات کو دیکھا کہ مرحومہ قرآن شریف کی تلاوت کر رہی ہیں۔

مرحومہ ایک نومسلم خاتون تھیں (آکا جان نے انھیں مسلمان کر کے اپنے عقد میں لے لیا تھا) اور بالکل اَن پڑھ تھیں مگر مرحومہ نے جس تندہی اور توجہ سے مجھے قرآن کریم حفظ کرایا اسے میں مرحومہ پر توفیق خداوندی کا سایہ ہی کہہ سکتا ہوں۔ اسی محنت کا نتیجہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ مرحومہ تلاوت قرآن کریم کر رہی ہیں۔

فراغت کے بعد جب میں نے وعظ کہنا شروع کیا تو اماں مرحومہ میرے لئے دودھ جلیبیوں کا پیالہ تیار رکھتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ مولانا محمد اسحاق صاحب دہلویؒ (ان کی دوسری اہلیہ میری پھوپی تھیں۔) جب وعظ کہہ کر گھر آتے تھے تو میں نے دیکھا ہے کہ دودھ جلیبیوں کا بھرا ہوا پیالہ ان کے لئے تیار رہتا تھا اور مولانا اسے استعمال کرتے تھے۔

خداوند عالم کی رحمت و بخشش سے پوری امید ہے کہ وہ ان دونوں

بزرگوں کو اس گناہ گار کی دینی خدمات کے اجر و ثواب میں ضرور شریک فرمائے گا۔ اور اس ناچیز کی دینی خدمات (جیسی کچھ بھی ہیں) مرحومین کے لئے صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گی۔ اور ان دونوں محسنوں کے ساتھ اس خاکسار کے حقیقی والدین بھی خدا کے فضل و کرم کے سہارے شریکِ حسنات ہوں گے۔

پہلی اہلیہ مرحومہ

میری پہلی اہلیہ (بتول خانمؒ والدہ شریف حسین اور فاطمہ بیگم) دہلی کے بڑے باپ کی لڑکی تھیں۔ اکہ نورخاں صاحب (جنگلی کنواں کوچہ پنڈت) دہلی کے بڑے کارخانہ داروں میں شمار ہوتے تھے۔ مرحوم کا تارکشی کا کارخانہ تھا۔ مرحومہ کی رفاقت بھی میرے لئے خداوند عالم کا خصوصی فضل و احسان تھا۔ اماں مرحومہ پرانی ساسوں کی طرح بڑی سخت گیر تھیں۔ اور ان کی سخت گیری سے گھر میں جو کل کِل ہوتی تھی وہ میرے لئے انتہائی تکلیف دہ ثابت ہوتی تھی۔ اگر میری اہلیہ مرحومہ میں خدائے تعالیٰ صبر و قناعت کی بھرپور طاقت ودیعت نہ کرتا تو میری زندگی اجیرن ہو جاتی۔

۱۹۴۷ء کے خونیں واقعات و حالات نے مرحومہ کو ہم سے چھین لیا۔

دوسری اہلیہ

میری موجودہ اہلیہ نے بھی میری غربت کو برداشت کیا اور ہر حال میں شکر و قناعت کے ساتھ میرے بچوں کی پرورش کی۔ بچوں کی پرورش میں سگے سوتیلوں کا فرق محسوس نہ ہونے دیا اور ابا مرحوم کی آخر وقت میں ایسی خدمت کی کہ اگر ان کی بیوی مرحومہ بھی زندہ ہوتیں تو اس سے زیادہ خدمت نہ کرتیں۔

اور یہ ابا مرحوم پر نہیں، مجھ پر احسان کیا، ورنہ لوگ یہ کہتے کہ لے پالک تھا، خدمت نہ کی۔

ابا مرحوم کی دعائیں ہیں جو یہ اپنی اولاد کی بہار دیکھ رہی ہیں۔

میرے محسن

مولانا احمد سعید صاحبؒ

مولانا مرحوم کٹرہ ہڈو کی مسجد سے ترجمہ ختم کر کے جمعیۃ علماء ہند کے دفتر گلی قاسم جان جایا کرتے تھے۔ ایک روز مولانا دُکان کے آگے سے گذرے، میں بیٹھا ہوا تھا۔ مولانا مجھے دیکھ کر ٹھہر گئے اور بولے، خلیفہ جی! اب یہ لڑکا کیا کر رہا ہے؟ ابا بولے، قرآن شریف ختم کرا کے اسکول میں بٹھا دیا ہے۔ مولانا نے فرمایا، اچھا تو اب تم اسے عربی تعلیم کے لئے فتحپوری میں داخل کر دو۔ ابا نے فرمایا، بہت اچھا، کل ہی لیجئے۔

وہ کتنا مبارک وقت تھا۔ ابا دوسرے دن صبح ہی مجھے ساتھ لے کر فتحپوری پہنچے۔

مسجد فتحپوری کے جنوبی دالان میں مفتی مظہر اللہ صاحبؒ کے بڑے لڑکے مولانا محمد مظفر صاحبؒ چند لڑکوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ انھوں نے ہمارے ابا کو بلا لیا اور بولے، اسے میرے پاس بٹھا دو، میں پڑھا دوں گا۔ دہلی میں اس وقت دیوبندی بریلوی جھگڑے شباب پر تھے۔ مگر ابا مرحوم اس لائن کے آدمی نہیں تھے۔ واپس آکر ابا نے ہمارے نانا سید نواب علی جوہریؒ سے کہا، میر صاحب! کل سے یہ لڑکا امام صاحب کے پاس پڑھا کرے گا۔ انھوں

نے وعدہ کر لیا ہے۔ نانا مرحوم سمجھتے تھے اور دیوبندی خیال کے بڑے سخت آدمی تھے۔ وہ فوراً بھڑک کر بولے، نہیں، امام صاحب کے پاس نہیں، اسے سامنے والے دالان میں بٹھانا۔ وہ باقاعدہ مدرسہ ہے۔

پھر میں نے مدرسہ عالیہ فتحپوری میں چھ سال تک مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں۔ تقریر کی مشق کا سلسلہ بھی مدرسہ عالیہ میں شروع ہوا۔ میری زبان میں قدرتی طور پر کچھ لکنت تھی اور یہ لکنت مجھے تراویح کے اندر قرآن پڑھنے میں بڑا پریشان کرتی تھی۔ ابا مرحوم نے جب مجھے مولوی عالم کی لائن میں ڈالا تو مجھے اس کا بڑا فکر ہوا کہ میری زبان تو صاف نہیں ہے۔ میں مولوی بننے کے بعد وعظ و تقریر کا کام کیسے کروں گا؟ لیکن اسے قرآن کریم کی کھلی برکت ہی کہا جا سکتا ہے کہ میری زبان سے وہ لکنت آہستہ آہستہ دور ہو گئی۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں خدا کی خاص دین تھے۔ شروع دن سے میرا تعلق جمعیۃ علماء اور مجلس احرار کی سرگرمیوں سے رہا۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں باوجود پہلی اہلیہ کی جدائی کے صدمہ اور بیماری کے مجاہد ملت کے ساتھ امدادی کاموں میں وقت دیتا رہا اور مولانا نے مجھے گذر اوقات کے لئے وقف بورڈ میں لگوا دیا۔

مجاہد ملت بظاہر ایک مسلم لیڈر اور عالم دین تھے لیکن قدرت نے مرحوم کے اندر اخلاص، ہمدردی اور خودداری کی وہ صفات پیدا کی تھیں جو ایک درویش ربانی میں ہوتی ہیں۔ اور اس ناچیز نے تو اپنی پریشانیوں میں مرحوم کو ایک مشفق باپ کی طرح پایا، ورنہ دہلی کی بربادی کے قیامت خیز ہنگاموں اور اقتصادی

مشکلات میں مجھ جیسے کمزور آدمی کا استقامت اختیار کرنا ممکن نہیں تھا۔

مرحوم نے ۱۹۴۷ء کی برباد شدہ دہلی میں میری پریشانیوں کو دیکھ کر مجھے دہلی وقف بورڈ کے دینی شعبہ میں ملازم رکھوادیا۔ مرحوم بورڈ کے صدر تھے۔ بورڈ کے عملہ پر سختی کرنے کی غرض سے جب ایک ریٹائرڈ مجسٹریٹ (محمد اشفاق صاحب علی گڑھ) کو بطور سکریٹری مقرر کیا گیا تو اس سختی کا اثر مجھ پر بھی پڑا۔ مولانا مرحوم نے میری پریشانی کو محسوس کر کے مجھے مدرسہ حسین بخش میں مدرس کے طور پر مقرر کرادیا۔ مدرسہ کمیٹی کے صدر مولانا محمد میاں صاحبؒ ناظم جمعیۃ علماء ہند تھے۔

مولانا مرحوم نے ہندوستان کے بڑے بڑے جلسوں اور جمعیۃ کانفرسوں میں مجھے تقریر کرنے کا موقع دے کر میری حوصلہ افزائی کی۔

مولانا مرحوم کے وہ آنسو مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے کہ جب مولانا کینسر کا علاج کرا کر امریکہ سے واپس آئے تو میں اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ مولانا سے ملنے گیا۔ اس وقت مولانا جیسے باحوصلہ اور شیر دل انسان پر صحت کی طرف سے مایوسی طاری ہوچکی تھی۔

مولانا نے اپنے سفر امریکہ کے حالات سنانے شروع کردیئے۔ مولانا کے داماد عزیز الرحمٰن صاحب آگئے اور بولے، آپ کو ڈاکٹر نے بولنے سے منع کردیا ہے۔ فرمایا، یہ میری زندگی کے ساتھی ہیں، میں ان کو نہ سناؤں تو کس کو سناؤں۔ یہ فرماتے ہوئے مرحوم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

اس شہید ملت سے یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔

مولانا محمد میاں صاحب مرادآبادیؒ

مولانا مرحوم کو مولانا احمد سعید صاحبؒ جمعیۃ علماء کا ذوالنون مصری

(مشہور درویش) کہا کرتے تھے۔ مولانا جمعیۃ علماء ہند کے ناظم تھے اور دینی تعلیمی مکاتب کے انچارج تھے۔

میوات، ہماچل پردیش اور مشرقی پنجاب میں قائم دینی مکاتب کے دوروں میں مرحوم مجھے ساتھ رکھتے تھے۔ مولانا کو کثرت تحریر کی وجہ سے ان کے احباب حیوان کاتب کہتے تھے۔ مرحوم تقریر بہت کم کرتے تھے، اس لئے تقریر و وعظ کی ضرورت میں پوری کرتا تھا۔

مضمون نگاری میں بھی مولانا میری حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ الجمعیۃ اخبار میں میرا کوئی مضمون شائع ہوتا تو مولانا اسے پڑھتے اور پھر میری ہمت افزائی کے لئے اس کی تعریف کرتے۔

مدرسہ حسین بخش میں ایک نیا مدرس سمجھ کر اس وقت کے شیخ الحدیث مولانا مظاہر امام بہاری صاحب کے لڑکے طلبہ کو بھڑکاتے اور انھیں اعتراضات سکھا کر مجھے پریشان کراتے۔ میں نے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے شکایت کی۔ مولانا نے مولانا محمد میاں صاحب سے خفا ہو کر کہا کہ اگر تم نے اسے وہاں رکھا ہے تو اس کا خیال بھی رکھو۔

دوسرے دن مولانا محمد میاں صاحب مدرسہ میں تشریف لے آئے اور جلالین شریف کے طلبہ کو بلا کر ان سے سوالات کئے۔ طلبہ گھبرا گئے۔ مولانا نے انھیں سخت سرزنش کی اور فرمایا، تمھیں خود کیا آتا ہے جو تم مدرس کو پریشان کرتے ہو؟

پھر مجھے پریشان نہیں کیا گیا۔

میرے ساتھی مفتی ضیاء الحق صاحب دہلوی جمعیۃ علماء دہلی کے صدر ہو گئے تھے۔ مرکزی دفتر میں بھی بطور نائب مفتی کے کام کرتے تھے۔

مفتی صاحب معاصرت کے جذبہ سے متاثر تھے اور مجھے ہر موقع پر کاٹنے کی کوشش کرتے تھے۔ مجاہد ملت ان کی حرکتوں کو محسوس کرتے تھے۔ اور اپنی طرف سے میری اشک شوئی کرکے میری حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

پھر حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ مفتی صاحب قبلہ کے پاکستان چلے جانے کے بعد ان کے قائم کردہ مدرسہ (جامعہ رحیمیہ) میں منصب اہتمام کو سنبھالنے کے لئے اسی ناچیز کو مجبور کیا گیا۔ حالانکہ مفتی صاحب اس کے بانی اور مہتمم تھے جو میرے سائے سے بھی گھبراتے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ کے تذکرہ میں میں نے مفتی صاحب کے ہندوستان چھوڑنے پر دکھ کا اظہار کیا ہے اور انھیں دہلی کی رونق اور ضرورت قرار دے کر ان کی خدمات کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔

تبلیغی اور دعوتی کتابچوں کی فی سبیل اللہ اشاعت کے کام میں دہلی کے جن اصحاب خیر نے مالی تعاون دیا ان کے اسمائے گرامی کی فہرست طویل ہے۔ میں ان سب حضرات کے حق میں دین اور دنیا کی بھلائی کی دعا کرتا ہوں۔

آخر عمر میں جو میرا تھکتی کا دور ہے، جس صالح نوجوان کے تعاون سے اشاعت و دعوت کا سلسلہ جاری رہا (جس کا میری کمزوری کے سبب بند ہونے کا خطرہ تھا) وہ جناب شیخ محمد نسیم صاحب ایڈوکیٹ ہیں جو دہلی کی پنجابی برادری کے مشہور عارف باللہ جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب جاپان والے رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے ہیں۔

محمد نسیم صاحب خود بھی ایک صاحب مطالعہ و صاحب فکر دینی آدمی ہیں اور پھر علمی قدردانی کا جوہر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ودیعت فرمایا ہے۔

مدرسہ حسین بخش کے احباب

مدرسہ حسین بخش کے منبر وعظ کی حفاظت اور اس تاریخی منبر سے توحید و سنت کی اصلاحی دعوت کو جاری رکھنے میں اس ناچیز کو آخر عمر میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ کیونکہ چند حاسد علماء اور مسلم لیگی ذہن کے کچھ صاحبان میری آزادانہ اصلاحی خطابت سے خوش نہیں تھے۔

خاص طور پر جب شاہی امام صاحب جامع مسجد دہلی نے جامع مسجد جیسے سنی مرکز کو ایرانی سفارت خانہ کا اسٹیج بنا دیا اور کئی ماہ تک جامع مسجد میں سیاہ جھنڈے لگا کر اور خمینی صاحب کے فوٹو کی اشاعت اور ایرانی سفارت کاروں کی مسجد میں تقریریں کرا کر مسلمانوں کی جس طرح دل آزاری کی اور اپنی سیاسی اسٹنٹ بازی کا دباؤ ڈال کر جس طرح ملت اسلامیہ کی اس مقدس امانت کو ذاتی مفادات کے لئے نہایت گھٹیا طریقوں سے استعمال کیا، تب اس ناچیز نے جامع مسجد کے پہلو سے اس کے خلاف آواز بلند کی۔ اور میری آواز ان ہزاروں سنجیدہ مسلمانوں کی ترجمانی تھی جو امام صاحب کے پروردہ شورش پسند گروہ سے خوف زدہ تھے۔

اس مخالفانہ فضاء میں جن مخلص احباب نے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ وہ نہ صرف شکریہ کے مستحق ہیں بلکہ ان بزرگوں کی دعاؤں کے حقدار ہیں جو اس تاریخی منبر سے وابستہ رہے اور اس مدرسہ کو حق گوئی اور حق پرستانہ خطابت کے لئے شہرت دی۔

یہ مسجد دراصل "دارالارشاد والہدیٰ" کے نام سے تعمیر کی گئی تھی۔ دینی کتابوں کی تعلیم و تدریس اس مسجد میں بعد میں شروع ہوئی اور مدرسہ کے نام سے مشہور ہو گئی۔

مدرسہ کے ان احباب کا مختصر تذکرہ ضروری ہے۔
مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی، مولانا سید محمد میاں صاحب۔ حکیم شریف الدین صاحب بقائی، حاجی سراج الدین اللہ والے (ممبران کمیٹی) جب خدا کو پیارے ہو گئے تو جناب حاجی محمد شفیع صاحب پیکارڈ واچ کمپنی چاندنی چوک نے ان حضرات کی صحیح نمائندگی کی اور اس ادارہ کے وقار کو قائم رکھنے کی جدو جہد قائم رکھی۔

ہر جمعہ کو مجلس وعظ میں شرکت کرنے اور حجرۂ مسجد میں کچھ دیر بیٹھنے والوں میں جناب حاجی محمد شفیع صاحب تاجر عطر و تیل ترکمان گیٹ، بھائی سید فضل صاحب ٹیا محل، حاجی محمد مرزا صاحب ترکمان گیٹ، بھائی عبداللہ صاحب مچھلی والے، بھائی ظہور صاحب گلی امام صاحب والی جامع مسجد، شوکت ہاشمی صاحب حویلی اعظم خاں، سید فیاض علی ہاشمی پہاڑی بھوجلہ، عبدالحمید صاحب تاجر عطر مرحوم، محمد اسماعیل صاحب غوری مرحوم، عبدالحکیم، محمد رضوان پسران و نبیرہ حاجی عبدالمجید صاحب چوڑی والان کے اسمائے گرامی قابل تذکرہ ہیں۔

درس تفسیر کا سلسلہ

میرا ذہن قرآن کریم کی خدمت میں وقت صرف کرنے کا تھا۔ اس لئے میں نے پہلی فرصت میں گھر کے قریب والی مسجد (لال مسجد) میں درس قرآن شروع کر دیا۔

اس سلسلہ کا افتتاح مولانا احمد سعید صاحب، مولانا احمد علی صاحب لاہوری اور مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی کے ہاتھوں ہوا۔ یہ حضرات جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی میں شرکت کے لئے دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔

ترجمہ کی پہلی مجلس میں سننے والوں کی تعداد چار پانچ سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ اور کبھی کبھی تو صرف میرے نانا مرحوم اور ایک اور بزرگ (حاجی محمد اسحاق پراچہ) سامنے نظر آتے تھے۔

میں اپنا ترجمہ ختم کر کے مولانا احمد سعید صاحب کے حلقۂ درس میں شرکت کرتا تھا۔ مولانا مرحوم مسجد کٹرہ ہرو فراش خانہ میں بیان کرتے تھے اور دور سے آنے کی وجہ سے کچھ تاخیر کے ساتھ سلسلہ شروع کرتے تھے۔

ترجمہ و تفسیر بیان کرنے کا انداز اور قرآن کریم کو قرآن کریم کے ذریعہ سمجھنے اور سمجھانے کا انداز میں نے مولانا کے درس قرآن سے سیکھا۔ اس سلسلہ میں اصولی ہدایات مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری کے دورۂ تفسیر سے حاصل ہو چکی تھیں۔

عشاء کے بعد درس قرآن کے لئے میں نے مسجد کھجور والی تراہا بہرام خاں کا انتخاب کیا۔ اس سلسلہ کا افتتاح حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ مدنی کی مقدس تقریر سے ہوا۔ جمعیۃ علماء ہند کے مبلغ مولانا عبدالحنان صاحبؒ ہزاروی نے بھی اظہار خیال فرمایا۔ مولانا ہزاروی بالاکوٹ میں حضرت سید احمد صاحبؒ بریلوی کے احاطہ میں آرام فرما ہیں۔

رات کا سلسلہ اس وقت بند ہوا جب مجھ پر واپسی میں چاوڑی بازار کے اندر گلی بجرنگ بلی کے سامنے حملہ ہوا اور خدا تعالیٰ نے مجھے بال بال بچا لیا۔ اس گلی کے اندر نہ جانے کتنے شہیدوں کی لاشیں کسی کنویں میں آرام فرما ہیں۔

کوچہ نیچہ بندان (استاد داغ) کی مسجد میں سب سے پہلے مولانا سلطان محمود صاحب گجراتی صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری بیان کرتے تھے۔ اس محلہ میں میری پھوپی زاد بہن رہتی تھیں۔ اور شیخ شجاع الحق صاحب صدر مسلم لیگ،

شیخ سراج الحق صاحب گوٹے والے (میرے بہنوئی) اوران کے بزرگ۔
اس مسجد کے سربراہ تھے۔

ان حضرات نے مجھے لال مسجد سے بلاکر اس تاریخی مسجد میں بٹھادیا
اور پھر میں نے آٹھ دس سال اس مسجد میں تفسیر بیان کی۔

اسی عرصہ میں مسجد نواب قاسم جان (گلی قاسم جان) کا حلقۂ درس مولانا
عبدالماجد صاحب دہلویؒ کی وفات سے خالی ہوگیا۔ یہ حلقۂ درس ہندوستان
کا پہلا حلقہ تھا جو ۱۸۵۷ء کے بعد شروع ہوا۔ مولانا نواب ضمیر مرزا صاحب
(لوہارو خاندان) نے یہ حلقہ شروع کیا تھا۔ نواب صاحب حضرت شیخ الہند
کی تحریک (ریشمی رومال) کے ممبر تھے۔ حکومت نے نواب صاحب کی تقریروں
سے بغاوت کا خطرہ محسوس کیا اور ترجمہ بند کرادیا۔

نواب صاحب کے بعد بڑے بڑے اکابر نے یہاں ترجمہ بیان کیا۔
مولانا عبدالرحمٰن راسخ، مولانا مظہر الدین ایڈیٹر الامان۔ آخر میں مولانا عبدالماجد
صاحب دہلوی۔

ترجمہ کمیٹی نے اس حلقہ کے لئے مجھے دعوت دی اور میں اس مسجد کی
اہمیت کے پیش نظر یہاں آگیا۔ یہاں میں نے بارہ ۱۲ سال میں ترجمہ وتفسیر کا
پہلا دور ختم کیا۔

آزادی کے بعد دہلی کا دوسرا میونسپل الیکشن ہوا۔ پہلے الیکشن میں
لال کنواں اور فراش خانہ کے علاقہ سے سید محمد جعفری صاحب کو کامیاب کرایا
گیا تھا۔ لیکن جعفری صاحب دور رہنے کی وجہ سے علاقہ کی خدمت نہ کرسکے۔
اور کانگریس کو بدنامی حاصل ہوئی۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے دلی کانگریس کے صدر مسٹر برج موہن سے

میرے نام کی سفارش کی اور مجھے وقف بورڈ سے ہٹا کر الیکشن میں کھڑا کر دیا گیا اور میں کامیاب ہو گیا۔

یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے۔ اسی سال میں نے حج بیت اللہ سے فراغت حاصل کی اور یہ میرا اپنا حج تھا۔ سرکار سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

حضرت لاہوریؒ کے جانشین کی طرف سے خلعت کا اعزاز

۱۹۸۴ء کے سفر پاکستان کے موقع پر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحبؒ نے احقر کو اور مولانا عبدالکریم صاحب پاریکھ کو (جو تنظیم اسلامی کے سیمینار میں میرے ساتھ مدعو تھے) کھانے پر مدعو فرمایا۔ مولانا سعید الرحمٰن صاحب علوی اس تقریب کا واسطہ تھے۔

مولانا عبید اللہ صاحبؒ نے محاسن موضح قرآن کی تالیف پر احقر کو مبارکباد دی اور اس کتاب میں جماعت ولی اللہی کی قرآنی خدمات پر جو جامع تبصرہ کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت لاہوریؒ کی خدمات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس پر خوشی کا اظہار فرمایا اور احقر کو ایک عربی عباء، رومال اور ایک جوڑے کا کپڑا مرحمت فرمایا۔

اس ناچیز کے لئے استاد محترم کے جانشین کی طرف سے یہ اعزاز و اکرام (جس کا یہ قطعاً اہل نہیں ہے) انشاء اللہ آخرت کا بڑا بیش قیمت اثاثہ ثابت ہو گا۔

مولانا سعید الرحمٰن صاحب علوی ایک غیبی ہدیہ

مولانا سعید الرحمٰن صاحب علوی خطیب جامع شاہ جمال لاہور اس خاکسار

کے لئے پاکستان میں ایک غیبی تحفہ ثابت ہوتے ہیں۔

موصوف جماعت شیخ الہند کے عظیم مجاہدوں میں سے ہیں۔ تحریر، تقریر اور تحقیق کے ماہر ہیں۔ خدام الدین کے پرچہ کے ایڈیٹر اور مولانا عبید اللہ صاحب انور کے محبوب خادم رہے ہیں۔

دارالعلوم کے جشن صد سالہ کے موقع پر ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور پھر ایسا برادرانہ رشتہ قائم ہوا کہ آج تک اس میں استقامت اور خلوص چلا آرہا ہے۔ پاکستان میں راقم الحروف کا تعارف اس کی کتابوں کے ذریعہ مولانا ہی کا مرہون منت ہے۔

محاسن موضح قرآن اور مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت جیسی ضخیم اور اہم کتابیں اور مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے ناقد اور بریلوی ترجمہ قرآن کا تجزیہ جیسی تنقیدی کتابیں مولانا ہی کی جدوجہد کے ذریعہ باشندگان پاکستان کے ہاتھوں میں پہنچی ہیں۔

اور سب سے بڑی عنایت اور محبت یہ کہ مستند موضح قرآن جیسی اہم اور تحقیقی تصنیف بھی علوی صاحب کے توسط سے ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی کراچی کے ہاتھوں میں پہنچی جو اب کتابت و تصحیح کے مراحل سے گذر کر طباعت کی منزل میں آچکی ہے۔

میرے عزیز بھائی نواب حسین

میرا خاندان دہلی سے لٹ پٹ کر لاہور پہنچا اور پھر وہاں سے کراچی منتقل ہو گیا۔ مگر میرے چھوٹے بھائی نواب حسین لاہور ہی میں مقیم رہے۔ ان کی ذات بھی میرے لئے امداد خداوندی ثابت ہو رہی ہے۔ نواب صاحب مجرد زندگی گذار

رہے ہیں۔ ان کا ڈیرہ اور ان کی مخلصانہ خدمت اگر مجھے حاصل نہ ہوتی تو میں ہر سال پاکستانی اعزاء اور احباب سے ملاقات نہ کر سکتا۔ اور اپنی کتابوں کی اشاعت اور دیکھ بھال میرے لئے مشکل ہوتی۔ محترم علوی صاحب اور نواب صاحب کی قیام گاہیں (اچھرہ لاہور) میں قریب ہی قریب ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ

تنظیم اسلامی پاکستان کے صدر محترم ڈاکٹر صاحب مجھے کئی سال سے تنظیم کے اجتماعات میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں اور ہر طرح میری ہمت افزائی فرماتے ہیں لیکن قیام و طعام اور ہر طرح کی دیکھ بھال کا بوجھ نواب صاحب ہی پر پڑتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب سے میرا تعلق کس طرح قائم ہوا؟ اس کی تفصیل ڈاکٹر صاحب کی ایک تحریر سے بآسانی سامنے آ سکتی ہے۔ جماعت شیخ الہند کتاب کے صـ ۴۳۹ پر ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے۔

"مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہ مہتمم و شیخ التفسیر جامعہ رحیمیہ، مرکز حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، خواجہ میر درد روڈ، دہلی (بھارت) سے راقم الحروف کا تعارف کچھ اتنا پرانا نہیں، زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو برس کا ہے۔

اُن سے اوّلین تعارف اُن کی بیش بہا تالیف 'محاسن مُوضح القرآن' اور اس کے پاکستانی ناشر برادرم قاری سعیدالرحمٰن علوی کی وساطت سے ہوا۔ اسی کی اساس پر راقم نے انھیں گذشتہ سال کے 'محاضرات قرآنی' میں شرکت کی دعوت ارسال کر دی۔ ان کا کرم کہ انھوں نے بلا پس و پیش اور بغیر تکلّف و تصنّع دعوت قبول فرمالی اور تشریف لے آئے۔

اس طرح متعدد بالمشافہ ملاقاتوں کا موقع بھی ملا۔ اور محاضرات کی متعدد

نشستوں میں ان کی کئی تقاریر بھی سننے میں آئیں۔ ان کے علم و فضل کا اندازہ تو ظاہر ہے کہ کوئی ان سے اعلیٰ پایہ کا عالم و فاضل ہی لگا سکتا ہے۔ مجھ جیسے عامی و اُمّی شخص کے دل نے تو ان کے جذبۂ خلوص، سادگی و اخلاص اور بالخصوص طبیعت کی تواضع اور مزاج کے اعتدال سے بہت اثر قبول کیا۔ اس طرح گویا فوراً ہی "دل را بہ دل رہیست" والا معاملہ بن گیا۔

'محاضرات' کے ایک ہی ماہ بعد میرا بھارت جانا ہو گیا۔ اصل سفر تو حیدرآباد دکن کا تھا لیکن آتے جاتے دہلی میں بھی دو مرتبہ مختصر قیام رہا۔ اور ان دونوں ہی بار مولانا سے ملاقات ہوئی۔ مولانا کی محبت بھری دعوت پر ایک جمعہ میں جامع مسجد مدرسہ حسین بخش، چتلی قبر، میں جمعہ سے قبل خطاب کا موقع ملا۔ (جہاں اب مولانا جمعہ پڑھاتے ہیں، اور بھائی جمیل الرحمٰن صاحب سے معلوم ہوا کہ اسی مسجد میں ایک طویل عرصہ تک رئیس الواعظین سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ وعظ فرماتے رہے ہیں۔) اور اُن ہی کی وساطت سے قبرستانِ مہندیان اور جامعہ رحیمیہ میں بھی حاضری کا موقع ملا۔

راقم کو مولانا کی عمر کا صحیح اندازہ تو نہیں، البتہ گمان غالب ہے کہ لازماً ساٹھ سے متجاوز ہو گی۔ لیکن ان کی جواں ہمتی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد سے اب تک ان کے پاکستان کے دو مزید چکر لگ چکے ہیں جن سے بحمد اللہ ربط و تعلق کے مزید استوار ہونے میں بہت مدد ملی۔ جس کا ایک اہم مظہر قارئین 'میثاق' کے علم میں گذشتہ شمارے سے آچکا ہے، یعنی یہ کہ مولانا نے 'تنظیم اسلامی' کے 'حلقۂ مستشارین' میں شرکت قبول فرمالی۔ فجزاہ اللہ عنی وعن جمیع رفقائی احسن الجزاء۔ (۱۹۸۵ء)

تنظیم اسلامی اور محترم ڈاکٹر صاحب کی تحریک سے اس گہرے تعلق کے سبب پاکستان میں اس ناچیز کا تعارف ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریک سے اس تعلق کا میرے قدیم حلقہ (جمعیتہ علماء اسلام اور دیوبندی جماعت) پر ضرور ناگوار اثر پڑا، جس کی کوئی معقول وجہ نہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے افکار نے پاکستان میں مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا حسین احمدؒ مدنی کی جو عقیدت اور عظمت قائم کی اور جس تعلیم یافتہ اور جماعت اسلامی سے وابستہ حلقہ کو ان حضرات کی طرف متوجہ کیا وہ کسی دوسرے کے بس کا کام نہیں تھا۔

تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں اہل بدعت کے مقابلہ میں امید تھی کہ جماعت دیوبند کے دونوں گروہ (تھانوی اور مدنی) اتحادِ عمل سے کام کریں گے لیکن افسوس ایسا نہ ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے حسنِ اعتدال واخلاص کی بدولت دونوں حلقوں کو ایک مرکزی شخصیت (حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ دیوبندی) کی ذات گرامی سے جوڑ دیا اور حضرت شیخ الہند کے جامع اور ہمہ گیر اسلامی مشن کی دونوں جماعتوں کو کڑیاں قرار دے کر ان دونوں بلکہ تینوں جماعتوں (تھانوی، مدنی اور الیاسی) کو جماعت شیخ الہند میں سمو دیا اور اس طرح اہل پاکستان سے ان تینوں کی اہمیت اور ان کے الگ الگ مذاق وطریقۂ کار کی ضرورت تسلیم کرالی۔

"جماعتِ شیخ الہند" کا نام اور یہ وسیع تصور اسی ناچیز کی ایجاد ہے، جو ڈاکٹر صاحب نے اختیار کیا۔

اجالے میں اندھیرا

جو ہوا وہ کیوں ہوا، اس کی توجیہیں بہت
چاہتا ہوں وہ کیوں کر ہو، یہ مشکل بات ہے
(اکبر الٰہ آبادی)

اس ناچیز کی کہانی اندھیرے میں اجالا اور اجالے میں اندھیرے کی عبرتناک داستان ہے۔ میں کس ماحول میں علم دین کی طرف چلا گیا؟ یہ اندھیرے میں اجالے کی مثال ہے۔ اور میرے دینی اور علمی ماحول میں کوئی بچہ عالم دین نہ بن سکا۔ یہ اجالے میں اندھیرے کی مثال ہے۔ اور قرآن کریم نے اس عبرتناک انقلاب کو قدرتِ خداوندی کے کرشمہ سے تعبیر کیا ہے۔ سورۂ یونس میں فرمایا۔

أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝

بھلا کون ہے جو تمہاری قوتِ سامعہ (کانوں) اور تمہاری قوتِ باصرہ (آنکھوں) پر اختیار رکھتا ہے اور جاندار کو بے جان میں سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار میں سے نکالتا ہے۔ اور کون ہے جو اس نظام عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ وہ ضرور اعتراف کریں گے کہ وہ اللہ ہی ہے۔ پھر تم ان سے کہو کہ تم اس خدا کی نافرمانی سے کیوں نہیں بچتے؟

الحمدللہ، میرے سات بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ باوجود تمنا اور کوشش کے میں کسی بچہ کو دینی تعلیم و تبلیغ کے راستہ پر ڈالنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ البتہ بڑے لڑکے شریف حسین نے فارسی میں ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی کر کے دلی یونیورسٹی میں تعلیمی اور تحقیقی کام کی راہ اختیار کر لی ہے اور وہ کئی ادبی اور علمی کتابوں کا مصنف ہے۔

دوسرے لڑکے نے بی۔ اے۔ کیا، ایک لڑکی نے بی۔ اے۔ کیا۔ دوسرے لڑکوں نے تھوڑی بہت تعلیم حاصل کی اور یہ سب الحمدللہ محنت کر کے اپنا پیٹ بھر رہے ہیں۔

قدرت کے اس کرشمے کی دو وجہیں ہیں۔

ایک خدا کی توفیق ؎

در بدر ناصیہ فرسائی سے کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے
(مومن)

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ میں نے اپنے ایک مخلص ہمدرد (بہار شریف کے باشندہ) سے کہا، آپ مجھ سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ میرے دینی کاموں کی قدر افزائی کرتے ہیں اور خدا نے ماشاءاللہ آپ کو چھ سات ذہین لڑکے عطا کئے ہیں۔ آپ ایک کامیاب دولت مند بھی ہیں۔ پھر کسی ایک لڑکے کو آپ مولوی کیوں نہیں بناتے؟

وہ بولے، مولانا! دل میں بڑا شوق ہے کہ میرے گھر کا ایک مولوی ہو، مگر میری بیوی کہتی ہے کہ یہ مولوی صاحبان جس غربت میں زندگی گذار رہے ہیں، میرا کوئی بچہ اس غربت و ناداری کے ساتھ زندگی گذارنے کو تیار

نہیں ہے۔ اور میں بھی یہ نہیں چاہتی کہ ان کے دوسرے بھائی تو تجارت یا ملازمت کی راہ اختیار کر کے عیش کی زندگی گذاریں اور ان کا ایک بھائی دوسروں کی خیر خیرات کے سہارے جئے۔ مولوی بن کر وہ اپنے معاشرہ سے کٹ جائے گا۔ اسے اچھے گھرانے کی لڑکی نہیں ملے گی۔ میں خاموش ہو گیا۔ کیا جواب دیتا۔

ذوقؔ نے کیا خوب کہا ہے ؎

بہتر تو یہی ہے کہ نہ دنیا سے دل لگے ٭ پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی بنے

یعنی دنیا سے بے تعلق ہو کر صرف خدا اور آخرت سے دل لگانا بہت اچھا ہے۔ مگر اس دنیا سے، مال و دولت سے، بال بچوں اور بیوی سے پیچھا چھڑا کر انسان اس دنیا میں کیسے زندہ رہ سکتا ہے؟ اور شریعت اسلامیہ بھی انسان کو صحرا نشینی اور راہبانہ اور جوگیانہ زندگی اختیار کرنے سے روکتی ہے۔

اس خاتون نے جو کچھ کہا وہ دراصل ہم سب کے مخفی خیالات کی ترجمانی ہے۔

یہ دلی کبھی مفتی اعظم محمد کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن، مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا محمد میاں، مولانا محمد یوسف صاحب فقیر، مولانا محمد اسحاق صاحب دہلوی کی علمی اور دعوتی سرگرمیوں سے آباد اور پر رونق تھی۔

اب ان بزرگوں کے بعد کیا صورت ہے؟ خانقاہی سلسلہ میں مولانا زید ابوالحسن ایک علمی بزرگ ہیں۔ ان کے بعد کیا ہے؟ دونوں شاہی مسجدوں میں صرف امامت اور تقریروں کے سوا کیا ہے؟ البتہ نقش و عملیات کی پرہجوم مجلسیں اور دکانیں سجی ہوئی ہیں۔ بلکہ ۴۷ء سے پہلے کے مقابلے میں ان مجالس پر زیادہ شباب ہے۔

اسی علمی زوال کو دیکھ کر ایک صاحب نے لکھا ہے کہ مستقبل میں ہندوستان کے اندر صرف انہی خاندانوں میں علماء نظر آئیں گے جن خاندانوں کے ساتھ جاگیریں

(مدرسے اور خانقاہیں) وابستہ ہیں۔ اور ان جاگیروں کی حفاظت کیلئے ضروری ہوگا کہ ان خاندانوں میں رسمی علماء و صوفیاء موجود رہیں۔

(قومی آواز ۸ راکتوبر ۸۷ء)

لیکن اس ناچیز نے اس مایوسانہ تصور کی تردید میں لکھا تھا کہ خدا تعالیٰ اپنے اعلان و وعدہ کی لاج ہر حال میں رکھے گا۔ اور دین کی حفاظت کرنے والے کہیں نہ کہیں سے غیر متوقع طور پر کھڑے ہوتے رہیں گے۔

تنظیم ابنائے قدیم دار العلوم دیوبند
و
وفاق مدارسِ عربیہ ہند

دار العلوم دیوبند کا صد سالہ جشن ۲۱ سے ۲۳ ، مارچ ۱۹۸۰ء (جمادی الاول ۱۴۰۰ھ) تک نہایت شاہانہ تزک واحتشام کے ساتھ منعقد ہوا۔

یہ اجلاس ایشیار کی عظیم اسلامی یونیورسٹی کے عروج واقبال کا منتہائے کمال تھا۔ اور "ہر کمالے را زوالے" کے قدرتی قانون کے مطابق اس عظیم ادارہ کے زوال کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوا۔

اجلاس میں مختلف تجاویز کے علاوہ دار العلوم کے طلبار قدیم کی تنظیم کی تجویز منظور ہوئی ۔ اور وفاق مدارس عربیہ بنانے کا فیصلہ ہوا۔

اس تجویز کے مطابق دار العلوم کے مہتمم (مولانا محمد طیبؒ) کی صدارت میں ایک تنظیم کا اعلان ہوا، جسکی نظامت عمومی اس ناچیز کے حصہ میں آئی جس کا اعلان حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے کیا گیا۔

یہ بات سب ہی کو معلوم ہے کہ جماعت دیوبند میں سیاسی نظریات کے لحاظ سے دو گروپ رہے ہیں ۔ اور اجلاس کے انعقاد کی سرگرمیوں میں بھی یہ اختلاف موجود رہا، چنانچہ مہتمم صاحب کی طرف سے تنظیم کے اعلان کے بعد ایک دوسری تنظیم بھی وجود میں آگئی جسکے صدر مولانا اسعد صاحب مدنی مقرر ہوئے۔

اس تصادم سے جماعت دیوبند اس تفریق وانتشار میں مبتلا ہوگئی

جسے قرآن کریم نے "ویذیق بعضکم باس بعض" سے تعبیر کیا ہے۔

یہ ناچیز اپنے مزاج و مذاق کے لحاظ سے ہنگامہ آرائی کو پسند نہیں کرتا، قدرت نے اس کے مزاج میں تعمیری کاموں سے دلچسپی رکھی ہے، چنانچہ حضرت مہتمم صاحبؒ کو اس بات کا احساس تھا اور ایک روز مرحوم نے دفتر اہتمام میں اس کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا،

"مفتی ضیاء الحق صاحب آجاتے تو بہتر تھا۔ ابھی چھ مہینہ تک تو ٹکراؤ چلے گا، اس کے بعد اجلاس کی تعمیری تجاویز پر کام کرنے کا موقعہ ملے گا"

مفتی ضیاء الحق صاحب کا مہتمم صاحبؒ اور مفتی عتیق الرحمان صاحبؒ سے خاص تعلق تھا لیکن وہ مدرسہ امینیہ کے اہتمام پر کڑی جدوجہد کے بعد فائز ہوتے تھے، وہ کیسے اس پسندیدہ عہدہ کو چھوڑ کر ادھر آتے؟ اس لئے مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ اور مفتی عتیق الرحمان صاحب عثمانیؒ کے مشورہ سے مہتمم صاحب نے میرے نام کا اعلان کر دیا، میں نے حضرت مفتی صاحب سے معذرت بھی کی لیکن مرحوم نے فرمایا،

"تقریر اور تحریر دونوں کی ضرورت پڑے گی، تم اس وقت اسے منظور کر لو، میں جانتا ہوں کہ تم مستقل طور پر دہلی اور اپنے اشاعتی ادارہ کو نہیں چھوڑ سکتے"،

میں نے تنظیم کا کام شروع کر دیا، دستور مرتب کیا، لٹریچر چھپوایا، ایک قدم دہلی میں اور دوسرا دیوبند میں ہوتا،

اب دونوں تنظیموں میں تصادم پوری شدت کے ساتھ جاری ہو گیا اور جو افسوسناک واقعات پیش آئے، خدا تعالیٰ سے دعاء ہے کہ انہیں ذہن سے نکال دے۔

یادِ ماضی عذاب ہے یا رب ؛ چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

حضرت مہتمم صاحب نے شوریٰ کے اجلاس (۱۹۸۰ء) میں اختلاف وتصادم کی جو رپورٹ پیش کی اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"اجلاس کی کامیابی کی خوشی اُبھرنے بھی نہ پائی تھی کہ غم والم اور مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ وہ عالمی اتحاد جو اس اجلاس کا ثمرہ تھا کیا رونما ہوتا خود گھر میں تفریق برپا ہوگئی بدعت پسند طبقہ نے خوشی سے بغلیں بجائیں اور لکھا "دو شیطانوں کی لڑائی" فرقہ پرستوں نے لکھا۔ ان ہنگاموں کا تعلق اجلاس سے ہے جس نے دوسرے پاکستان کی بنیاد ڈالی ۔"

اکبر الہ آبادی نے کہا ہے ؎

جو ہوا وہ کیوں ہوا ؛ اسکی توجیہیں بہت
چاہتا ہوں وہ کیوں کر ہو ؛ یہ مشکل بات ہے

چار مہینہ اس زبردست ہنگامہ آرائی میں کام کرنے کے بعد قدرت نے میرے لئے اس عہدہ سے علیحدگی کے اسباب پیدا کر دیئے اور یہ صورت پیش آئی کہ دونوں تنظیموں کو ایک کرنے کا ایک معاہدہ طے ہوا، جسمیں صدر تنظیم حضرت مہتمم صاحب نائب صدر مولانا اسعد مدنی صاحب اور ناظم مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی طے کیے گئے،

میں نے اس معاہدہ کی اطلاع پاکر حضرت مہتمم کی خدمت میں اپنا استعفےٰ بھیجدیا اور عرض کیا کہ میں اس معاہدہ کو ادارہ اور جماعت کے حق میں بہت بہتر سمجھتا ہوں اس لئے بخوشی پیچھے ہٹتا ہوں تاکہ یہ معاہدہ کامیاب ہو،

میں دیوبند سے دلیؔ آگیا — بعد میں خبر ملی کہ اس معاہدہ کو نیچے کے فریقین کی ریشہ دوانیوں اور بداندیشیوں نے ناکام کر دیا،

پھر کیا ہوا؟ — جماعت شیخ الہند تقسیم ہوگئی، جس جماعت کے قائدین نے ملّت اسلامیہ ہند کو ۵۷ء اور ۴۷ء کے خوفناک انقلابی حادثوں میں سہارا دیا اس کے جانشین اپنی قسمت کے ڈوبتے سفینہ کو سہارا نہ دے سکے، ؎

دریں آشوب غم غدرم بنہ گر نالہ زن گریم
جہانے راجگر خوں شد ہمیں تنہا نہ من گریم

آج دارالعلوم دو حصوں میں بٹ کر کام کر رہا ہے — مہتمم صاحب کا حلقہ جامع مسجد دیوبند میں بیٹھا ہے اور قدیم دارالعلوم مولانا اسعد مدنی اور اُن کے حلقہ کی سرپرستی میں چل رہا ہے۔

ملّت اسلامیہ ہند کے اجتماعی زوال کو اگر دیکھا جائے تو اس نقشہ میں دارالعلوم دیوبند کو ان اختلافی حوادث کے سبب ماضی کا افسانہ بن جانا چاہیئے تھا، لیکن دینِ حق کی حفاظت کا وعدۂ ربّانی جو جماعتِ دیوبند کے اکابر سے وابستہ ہے وہ اپنی کارفرمائی دکھا رہا ہے۔

قدیم دارالعلوم کے تعلیمی اور انتظامی حالات کے متعلق جو معلومات پہنچ رہی ہیں وہ امید افزا رہیں۔

مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کے بڑے صاحبزادے مولانا ازہر شاہ صاحبؒ کہا کرتے تھے کہ ہمیں دارالعلوم کے بارے میں جو پریشانی لاحق ہوتی تھی اسے ہم بانی دارالعلوم مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے آستانہ عالیہ پر عرض کرتے تھے اور خدا تعالیٰ ان کی دُعاؤں

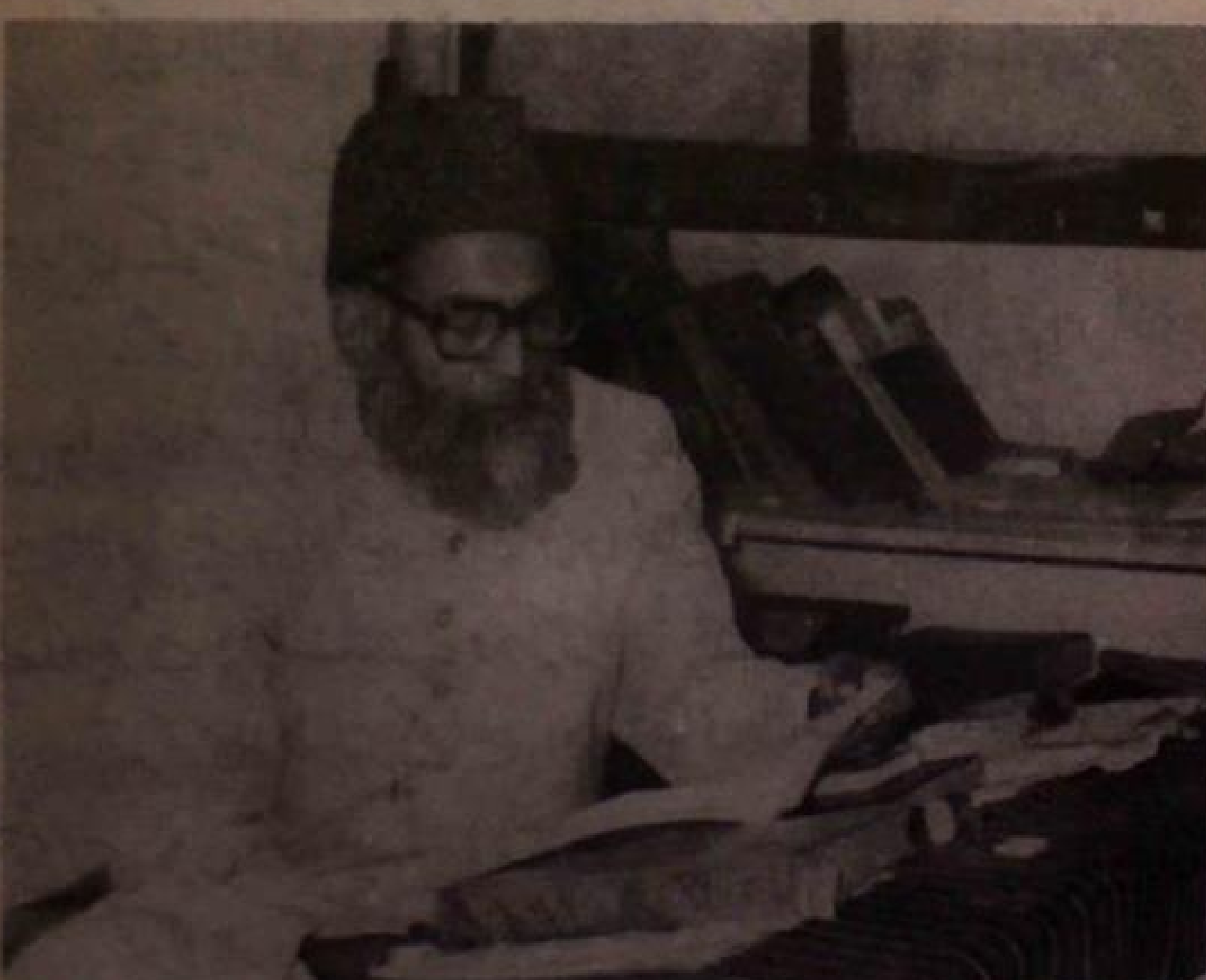
سے ہمیں اس آزمائش سے نکال دیتا تھا،

واقعات سے معلوم ہوا کہ اکابر جماعت کی روحانی توجہات اس قدرتی حادثہ کو تو نہ روک سکیں کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے اس قانون کے تحت رونما ہوا تھا،

"واذا اردنا ان نھلک قریۃً امرنا مترفیھا"

لیکن مکافاتِ عمل کے بعد ان بزرگوں کی توجہات نے قدیم دارالعلوم کو سنبھالا۔ اور اسے دینِ حق کی حفاظت کی راہ پر گامزن کر دیا، ؎

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی



مصنّف کا تعارف

میانہ قد، متناسب الاعضاء جسم، کشادہ پیشانی، آفتابی چہرہ، گلِ تر کی طرح شگفتہ و شاداب، سیاہ و سفید گھنی ڈاڑھی، سر کے بال نسبتاً بلا خضاب زیادہ کالے، اس پر نہایت قیمتی قراقری الور پاشا کیپ، آنکھوں پر ہلکے سنہرے فریم کی عینک، جوں ہی چشمہ اتارتے ہیں آنکھیں مسحور کن انداز میں کھلنے، بند ہونے لگتی ہیں، شیروانی کسی قدر لمبی، علی گڈھ تراش کا پاجامہ، سردیوں میں چترالی خوبصورت و دل کش گرم چغا، کبھی کبھی سر پر کشمیری رومال، متانت و سنجیدگی کا پیکر، خلوص و انکساری کی جیتی جاگتی تصویر، تکلّفات سے ناآشنا۔ دلّی کی سادہ تہذیب کا نمونہ، خود نمائی اور خود بینی کے تازہ بہ تازہ طریقوں سے ناآشنا، اصلاح معاشرہ کے آرزومند مسلمانوں کی سماجی زبوں حالی اور فقدان قیادت پر ماتم کناں۔

قومی جلسوں کے ہنگامہ خیز مقرر، حق گو، صاف گو۔ مگر دل آزاری سے مجتنب، مصلحت پسند، مگر اظہارِ حق میں بے باک۔

اور اسی کے ساتھ اس کا بھی اضافہ کیجیے کہ گفتگو اور خطابت میں صاف ستھری اور شائستہ زبان کے تراشے ہوئے فقرے اور ادبی جملے جو جذبات کی تھوڑی سی برہمی اور لب و لہجہ کی سنجیدگی سے مل کر ادا ہوتے ہیں جیسے کسی پہاڑی جھرنے سے پانی گر رہا ہو اور کبھی ہوا کے جھونکوں سے آواز کے تسلسل و ترنم میں فرق آجاتا ہے۔

اب یوں سمجھئے کہ مولانا کی شخصیت کا جغرافیہ تقریباً مکمل ہو گیا، بہر حال یہ تو تھا مولانا کا قلمی تعارف ـــ رہا یہ کہ وہ مولانا کون ہیں؟ ـــ تو مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی کسی تعارف و تعریف کے محتاج نہیں۔

نہ علمی حلقوں میں اجنبی ہیں اور نہ عوامی حلقوں میں غیر متعارف ہیں
ان کی شخصیت گوناگوں خانوں میں بٹی ہوئی ہے ان میں علم وعمل کی
متعدد نادرہ روزگار صفات غیر معمولی طور پر جمع ہو گئی ہیں۔
یہ بیک وقت عالم دین، مفسر قرآن، غرض بہت کچھ، اور ساتھ ہی
درویش صفت انسان —
اپنی زندگی کا طویل حصہ ہندوستان کی راجدھانی دتی میں زہد وقناعت
اور نہایت پاکیزہ سیرت کے ساتھ گذارا —
لیکن کبھی اپنی پاکبازی وتقدس کی تجارت نہ کی اور نہ اپنی درویشی
کی نمائش فرمائی — لوگ وطن سے باہر نکل کر چمکتے ہیں، مولانا
اپنے وطن میں چمکے اور اہل وطن کی بھرپور محبت اور شفقت پائی،
تقریر وخطابت کے فنی کمال کے ساتھ طبعی انکساری اور عاجزی نے
وطن سے باہر ملک کے ہر گوشہ میں مولانا کو قبولیت اور محبت ملی اور ہر صوبہ
نے مولانا کو اپنا آدمی سمجھا،
طبعی انکساری کی وجہ سے ان کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے ہر
آدمی بھول جاتا ہے کہ وہ کسی بڑے عالم اور بڑے مصنف سے مخاطب ہے،
اپنی بڑائی اور اپنے کمالات کا شاید انہیں وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوتا،
اپنے چھوٹوں اور کہیں چھوٹوں کی بات کو اس التفات سے سنتے ہیں
کہ وہ گویا ان کے ہم سر ہیں بلکہ بعض اوقات تو اپنے نیاز مندوں اور چھوٹوں
کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ وہ بے چارے خود اپنے متعلق بڑی غلط فہمیوں میں
مبتلا ہو جاتے ہیں اور آپ سے ملنے والا یہ سمجھتا ہے کہ موصوف جتنا
مجھ سے قریب ہیں اتنا کسی اور سے قریب نہیں۔
مولانا بڑے زندہ دل اور ظریف الطبع ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات
ظرافت کی رو میں بہہ کر ہم چھوٹوں کو بھی نہیں بخشتے — بڑے ہنس مکھ ہیں۔

خوب ہنستے ہیں اور ہنساتے ہیں۔

مولانا سیاسی مولویوں کا اکثر مذاق اڑاتے ہیں، حالانکہ خود بھی سیاسی آدمی رہ چکے ہیں ــــ اور وہ بھی کانگریسی ــــ لیکن مجھے یقین ہے کہ گاندھوی کبھی نہیں رہے ہوں گے۔

سیاست میں مولانا کی بے باک حق پرستی کا نتیجہ تھا کہ ایمرجنسی کی زیادتیوں اور نس بندی اور توڑ پھوڑ کے واقعات نے مولانا کو کانگریس سے بے زار کر دیا اور مولانا نے انقلابی لہر کا ساتھ دیا ــــ اور اسی کے نتیجہ میں مولانا کو جمعیۃ علماء ہند سے الگ ہونا پڑا ــــ جس کے وہ صوبائی صدر اور آل انڈیا کے ناظم رہ چکے تھے، اور انقلاب ۴۷ء کے بعد اسی جماعت کے پلیٹ فارم سے مولانا حفظ الرحمٰنؒ، مولانا احمد سعید اور مولانا محمد میاںؒ کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر ایک جاں فروش سپاہی کی طرح فرقہ پرستی کی آگ بجھانے اور مسلمانان ہند کو سماجی پستی سے نکالنے اور انہیں نشاۃ ثانیہ کی راہ پر ڈالنے کے لیے رات دن ایک کیے تھے۔

وہ تمام لوگ جو مولانا سے کسی طرح قریب رہے ہیں اور جن کی آنکھوں پر جماعتی عصبیت اور سیاسی رقابت کا پردہ پڑا ہوا نہیں ہے وہ اس کی شہادت دیں گے کہ مولانا کا بے باک قلم اور بے لاگ خطابت ہمیشہ ملّی مسائل اور دینی تقاضوں کی ترجمانی کا فرض ادا کرتی رہی ہے، یہ بات اور ہے کہ اس حق گوئی کی بڑی بھاری قیمت مولانا کو ادا کرنی پڑی ہے اور دفعہ ۱۵۳ الف کے ایک دو نہیں چار چار مقدمے بیک وقت مولانا پر قائم رہے ہیں۔

۱۲ برس کی مدت کم نہیں ہوتی، زندگی کا اتنا قیمتی وقت مولانا نے ان مقدمات کی پیروی میں نہایت صبر و استقلال اور خندہ پیشانی کے ساتھ گذارا ہے۔

فکری اعتدال مولانا کی بڑی خصوصیت ہے، وہ ایک طرف۔

ابوالکلامؒ اور حسین احمد مدنیؒ کے سیاسی فکر کے علم بردار ہیں اور ساتھ ہی مولانا تھانوی کے تعمیری فکر کی افادیت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔

مولانا کو مولویانہ بحث و مباحثہ کی عادت نہیں ہے، ذہین و ذکی الحس آدمی ہیں، ان جھمیلوں میں پڑنا نہیں چاہتے، اگر اتفاق سے کہیں الجھنا پڑتا ہے تو ان کے بحرِ علم میں جوار بھاٹا آجاتا ہے، پھر حریف کو جب تک میدان سے نہ بھگادیں اس وقت تک چین نہیں پڑتا ـــــ لیکن الحمد للہ اب مدافعانہ انداز میں سنجیدہ قلمی مناظرہ کا سنگ بنیاد رکھ چکے ہیں ـــــ مولانا احمد رضا خاں کے ترجمۂ قرآن کا علمی تجزیہ اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور ان کے ناقد جیسی تحقیقی اور علمی کتابوں کی قدر دانی کرتے ہوئے مستقبل کا مورخ انہیں امام المناظرین کے خطاب سے نوازے تو وہ حق بجانب ہوگا۔

یہ بھی سننے کے لائق ہے کہ مولانا کتابوں کے عاشق ہیں، بڑے ذوق و شوق اور انہماک سے اس طرح مطالعہ کرتے ہیں کہ ان کے ہاتھ میں سرخ پنسل یا قلم ضرور ہوتا ہے ـــــ خواہ کتاب ذاتی ہو یا مستعار ـــــ جو مقامات پسند آتے ہیں ان پر سرخ پنسل سے نشان لگاتے جاتے ہیں اور کبھی حاشیہ پر کچھ لکھ بھی دیتے ہیں جس میں بڑی افادیت ہوتی ہے۔

مولانا کا فطری ذوق و دلچسپی کسی انسانی تصنیف و تالیف سے نہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب حکیم سے ہے۔ اسی کتاب مقدس میں شب و روز غور و فکر ان کی زندگی کا حسین مشغلہ ہے۔ بلکہ یہی ان کی غذا ہے اور یہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔

مولانا نے شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کے الہامی ترجمہ "موضح قرآن" اور اس کے تفسیری فوائد کی جو علمی تحقیق و تدقیق کی ہے بقول۔ حضرت الاستاد مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری مدظلہٗ

بلاشبہ یہ کارنامہ عہد مظلم کے سیکڑوں ریسرچ کرنے والے

محققین کی تحقیقات پر بھاری بھرکم ہے۔"

اور بقول مولانا ازہر شاہ صاحب قیصر مدظلہ؛

"ہمیں افسوس اور حسرت ہے کہ ایسے علمی اور تحقیقی کاموں کی اس زمانہ میں کھپت نہیں، مولانا قاسمی کی یہ کتاب اپنی تحقیق کے لحاظ سے یقیناً اس قابل ہے کہ کسی صوبہ کی اردو اکیڈمی اسے درجہ اوّل کی کتاب قرار دے کر اس پر مولانا کو انعام دے۔"

آپ قدیم دلّی والا ہونے کی وجہ سے دلّی کی صاف اور شگفتہ اردو بولتے اور لکھتے ہیں، تعلیم سے فراغت کے بعد دہلی کے مشہور واعظ و مقرر مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کی خدمت میں ترجمہ قرآن پاک کی ترتیب میں شرکت کی اور سحبان الہند مرحوم کی صحبت میں رہ کر آپ کی زبان میں دہلویت کا رنگ اور زیادہ پختہ ہو گیا۔

بقول حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب رحمتہ اللہ علیہ۔

"دہلی کے مشہور شیوہ بیان مقرر سحبان الہند مولانا احمد سعید رح کے وعظ و بیان کی شیرینی اور دل کشی سے جو لوگ لطف اندوز ہوتے ہیں وہ اس کی تصدیق کریں گے کہ مولانا اخلاق حسین صاحب اس میدان میں مرحوم سحبان الہند کی یادگار ہیں، وہ ٹھیٹ دلّی والے بھی ہیں اور مرحوم کی صحبت بھی انہیں حاصل رہی ہے۔"

تحریر میں آپ کی دہلوی زبان کا شاہ کار "اخلاق رسول" کتاب ہے اور مولانا کی ریڈیائی تقاریر کا مجموعہ — اسلام کیا کہتا ہے؟ — کتاب ہے۔

مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند کے تاثرات مولانا کی اس کتاب کے بارے میں یہ ہیں۔

"یہ کتاب دہلی کی ٹکسالی اردو اور کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی لال قلعہ

کی شیریں اور حسین زبان کا بہترین نمونہ ہے"

رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور آپ کے اخلاق حسنہ کے موضوع پر مولانا کی تقریریں عوام وخواص میں بہت مقبول ہیں، آپ جب اس موضوع پر بولتے ہیں تو وجدانی کیفیت کے ساتھ بولتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ اپنے آپے میں نہیں ہیں ـــــ بلبل کی طرح چہکتے ہیں اور شاخ گل کی طرح جھومتے اور لچکتے ہیں، موصوف کا ہفتہ واری خطاب جو مدرسہ حسین بخش جامع مسجد میں نماز جمعہ سے قبل ہوتا ہے علمی، دینی اور اصلاحی مسائل پر نہایت بلند پایہ تحقیقی مواد پر مشتمل ہوتا ہے اور اس خطاب سے مستفید ہونے کے لیے دور دراز سے علمی ذوق رکھنے والے حضرات اس خطاب میں شریک ہوتے ہیں در حقیقت مولانا اخلاق حسین قاسمی اس تاریخی منبر ومحراب کی زینت ہیں جو ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد دار العلوم دیوبند سے دس سال قبل ولی اللہی تحریک کے اصلاحی مرکز کے طور پر وجود میں آیا تھا۔

اور جب مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید کے ایک پیرو مولانا نوازش علیؒ کے وعظ وخطاب پر جامع مسجد دلیؔ کے اندر کچھ اہل ہوا رنے شور وغل مچایا تھا تو حاجی حسین بخش صاحب (پنجابی) نے اس "دار الہدیٰ والوعظ" کو تعمیر کرایا تھا۔

حاجی صاحب شاہی فیل خانہ کے سپلائیر تھے اور مولانا شہید رحؒ کے اصلاحی مشن سے گہرا تعلق رکھتے تھے،

اس مرکز اصلاح میں مولانا محمد حسین فقیر، مولانا کرامت اللہ خاں صاحب مولانا نور الحسن صاحب دیوبندی، مولانا عبد الشکور صاحب مہاجر مدنی اور مولانا احمد سعید صاحب دہلوی جیسے اہل علم خطاب کرتے رہے ہیں۔

مولانا دہلوی اپنے قلم کی سادگی اور شگفتگی اور انداز بیان کی دل کشی اور روح پروری کی وجہ سے آل انڈیا ریڈیو کے مقبول ترین مقرر بھی ہیں،

لہ شاگرد شاہ محمد اسحاق صاحب شہ دہلوی

اور مولانا احمد سعید اور مولانا حفظ الرحمان کی دلی میں اب صرف وہی ایک مقرر اور واعظ نظر آتے ہیں جنھیں اسلافِ دلی کی آخری یادگار کہا جا سکتا ہے۔

میں نے سب سے پہلے مولانا کی ایک جھلک اپنے وطن (چمپارن بہار) کے ایک پرہجوم جلسے میں دیکھی، اس وقت نہ ان تک پہنچ سکا، نہ گفتگو کی نوبت آئی — دوسری مرتبہ آپ کی زیارت کا شرف اس وقت حاصل ہوا جب آپ دارالعلوم کے مہمان خانہ میں مقیم تھے۔ مفتی جمیل الرحمٰن صاحب نے ناچیز کا تعارف کرایا، اجنبیت دور ہونے میں چند لمحے بھی نہ لگے، بڑے تپاک اور محبت سے ملے جیسے برسوں کی آشنائی ہو، اس کے بعد آپ دیوبند تشریف لائیں اور ملاقات نہو شاید کبھی ایسا نہ ہوا،

اور اب تو مولانا الحمدللہ ہمارے "نگہبان فرشتہ" ہو گئے ہیں، یعنی مہتمم جامعہ رحیمیہ — جہاں تفسیر قرآن پڑھانے اور ولی اللہی تحریک (اصلاحی جہاد) کا تعارف کرانے میں مصروف ہیں۔

مولانا قاسمی کی فطری صلاحیتوں کے پیش نظر مولانا کے قدردان اس بات سے خوش ہیں کہ موصوف اپنے آپ کو علمی اور قلمی سرگرمیوں کے لیے یکسو کر چکے ہیں۔

اگر موصوف سیاسی ہنگاموں سے کنارہ کش ہو کر نہ بیٹھتے تو قرآن حکیم کی اتنی بڑی خدمت کا موقعہ آپ کو میسر نہ آتا۔

مولانا قاسمی نے ہندوستان کے غریب مسلم عوام اور غیر مسلم حلقوں میں اسلامی تبلیغ و دعوت کے لیے رحمت عالم کانفرنس — کے نام سے ایک ادارہ قائم کر رکھا ہے، جس کی طرف سے ہزاروں چھوٹے بڑے اردو، ہندی اور انگلش پمفلٹ بلا قیمت تقسیم ہو چکے ہیں۔

مولانا نے ۴۷ء کے بعد مسلمانوں کے اندر بڑھتی ہوئی غربت اور مخالفین کی طرف سے اسلام اور ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان حکمرانوں کے خلاف توہین آمیز اور اشتعال انگیز پروپگنڈہ کو دیکھ کر یہ تبلیغی ادارہ قائم کیا اور اصحاب خیر مسلمانوں کے مالی تعاون سے ہزاروں کتابچے ملک کے اندر پھیلائے۔

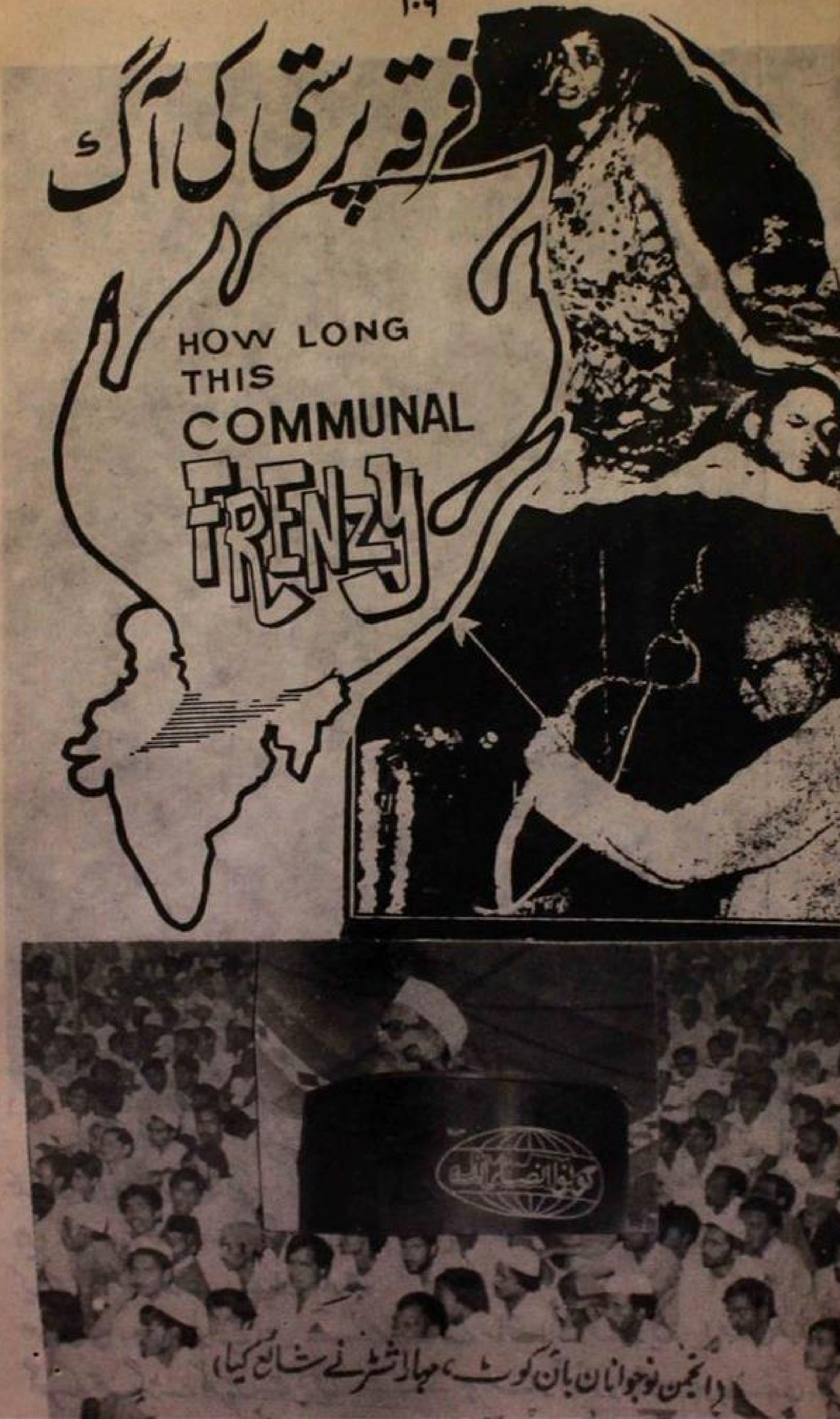
نامناسب ہوگا کہ مولانا کے تبلیغی اور تصنیفی کاموں کا تعارف کراتے ہوئے مولانا کے ان پاکستانی اور جماعتی احباب کا ذکر خیر نہ کیا جائے جن کی توجہ اور تعاون سے محاسن موضح قرآن جیسی اہم ضخیم کتاب آٹھ سو صفحات پر مشتمل نہایت اہتمام کے ساتھ شائع ہوئی اور اب مستند موضح قرآن کا عظیم کام شروع کر دیا گیا ہے۔

یعنی مولانا سعید الرحمان صاحب علوی ایڈیٹر خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور ـــ اور ان کے مخلص احباب ـــ جو ولی اللہی علوم قرآنی پر کئے گئے بے مثال کام کو زندہ جاوید بنانے کی مخلصانہ کوششوں میں مصروف ہیں۔ فجزاہم اللہ خیرا الجزاء

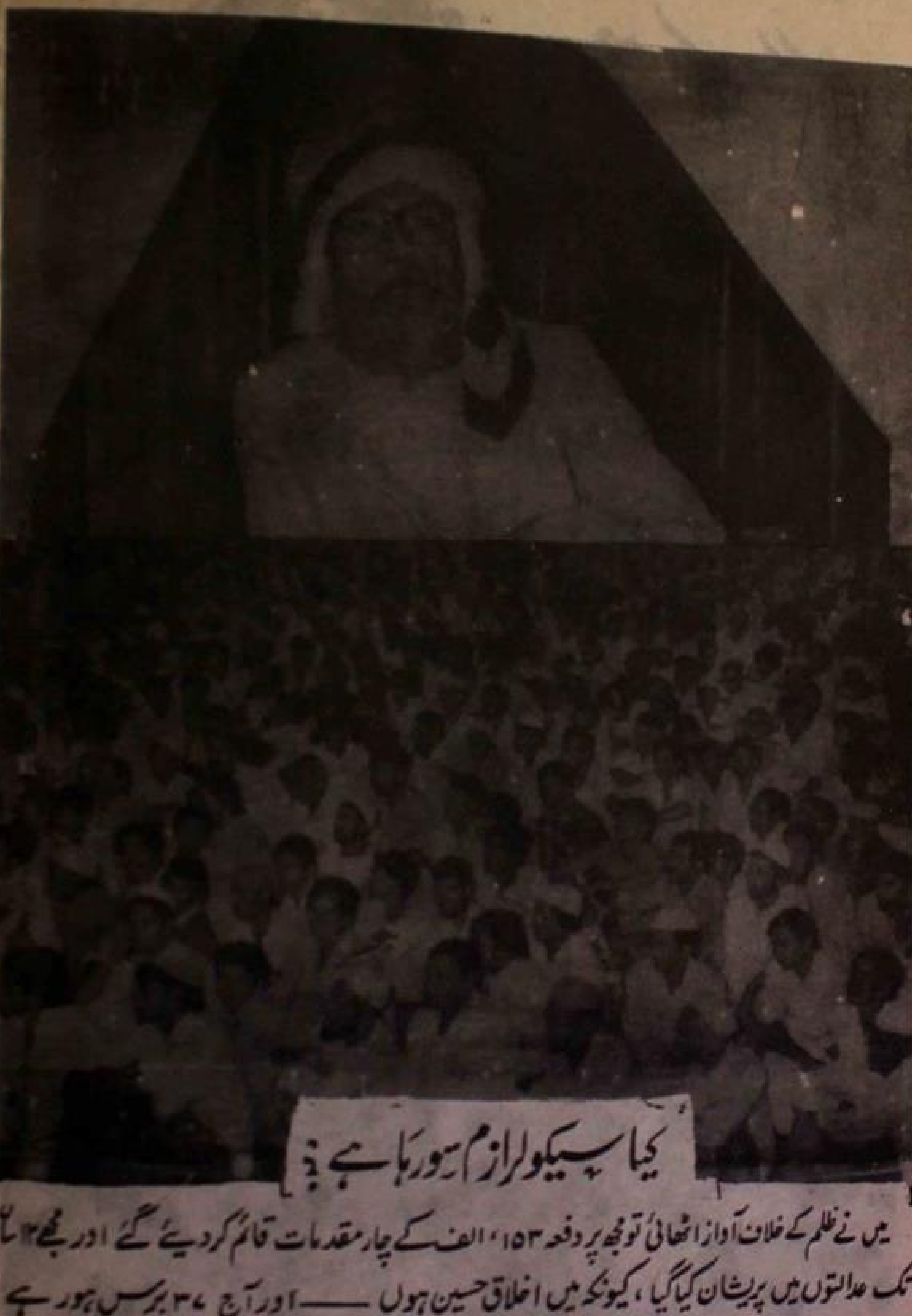
عطاء الرحمان قاسمی (چمپارن بہار)

استاد فقہ وادب جامعہ رحیمیہ ۔ دلی

۱۲ر مئی ۸۴ء



(انجمن نوجوانان بان کوٹ، مہاراشٹر نے شائع کیا)



کیا سیکولرازم سو رہا ہے؟

میں نے ظلم کے خلاف آواز اٹھائی تو مجھ پر دفعہ ۱۵۳، الف کے چار مقدمات قائم کردیئے گئے اور مجھے ۱۲ سال تک عدالتوں میں پریشان کیا گیا، کیونکہ میں اخلاق حسین ہوں ——— اور آج ۳۷ برس ہورہے ہیں ——— اسلام اور مسلمانوں کی دل آزاری اور توہین کرنے والوں کو کھلی آزادی حاصل ہے۔ کیونکہ وہ اس ملک کے راج کمار ہیں ؟

مسلمان اس کا جواب دیں ——— عورت کے ساتھ انصاف کریں، احسان کریں اور گھر کے جھگڑے گھر میں طے کریں ——— ہر سازش خود ناکام ہوجائے گی۔

شاہ جہاں بادشاہ

شاہجہاں بادشاہ کو دنیا کے تمام مورخین نے نیک دل اور نیک سیرت بادشاہ قرار دیا ہے، مگر کمینہ خصلت فرقہ پرستی نے اس بادشاہ کو بھی نہ چھوڑا،

بے شرموں نے شاہجہاں کو اپنی بیٹی کے ساتھ جس نہایت گھناؤنے انداز میں دکھایا ہے اور اس ولی صفت بادشاہ پر جو جھوٹا الزام لگایا ہے وہ زبان پر لانے کے بھی لائق نہیں ہے۔

ستم در ستم

جو اسلامی دنیا میں بھارت کو رسوا کر رہا ہے۔



Historians say that Shahjahan used to cohabit with his own daughter Jahanara, who was not allowed to marry. Shahjahan's **shameless** plea for this shameful act was that the gardener must enjoy the fruit of the tree he plants.

مدر انڈیا کی شرارت جھوٹ اور الزام تراشی کا گندہ نمونہ

مسلم حکمرانوں کے ساتھ احسان فراموشی

مسلم حکمرانوں کی تاریخ کو جس شرمناک طریقہ پر بگاڑا جا رہا ہے اس کی چند مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔ یہ مسلم حکمرانوں کے ساتھ احسان فراموشی کی بدترین مثال ہے۔

مسلمان حکمرانوں نے ایک ہزار برس تک ہندوستان کی تہذیب اور تمدن کو چار چاند لگائے۔ ہندوؤں کے ساتھ نہایت رواداری اور اعلیٰ ظرفی کے ساتھ پیش آئے۔ مشہور ہندو مورخ ڈاکٹر تارا چند نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان کو اپنا عزیز وطن قرار دیا ہے اور خوش حالی کی معراج پر پہنچا دیا۔

شری امرناتھ وریا النکا نے افسوس کے ساتھ لکھا ہے کہ بعض مسلمان سلاطین کی تاریخ کی چند کمزوریوں کو اتنا نمایاں کر کے دکھایا ہے کہ مسلم دور میں برائیوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ تاریخ کے نصاب میں تمام واقعات کو بگاڑے ہوئے اور مسخ شدہ روپ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ جس سے ہمارے قومی جذبات اور احساسات کے سرچشمے غلیظ ہو گئے ہیں ۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ خون آشام دور میں اپنی پرارتھنا سبھا میں مہاتما گاندھی جی نے کہا تھا۔

تاریخ کی کتابوں کے ذریعہ ہماری تاریخ کو غلیظ انداز میں پڑھایا جاتا رہے گا تو اس ملک میں مستقل طور پر فرقہ وارانہ روادی پیدا نہیں ہو سکتی ــ امرناتھ جی نے لکھا ہے:

"آج بھی ہمارے ملک میں تاریخ کی کتابیں ان ہی پرانی کتابوں کی بنیاد پر لکھی ہوئی ہیں اور یہ اندرونی خانہ جنگی اور جھگڑے کی طویل داستان سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں

تاریخ کی یہ کتابیں دو سو برس سے بھارت کے نوجوانوں کے دلوں میں دھڑے بندی، فرقہ پرستی اور تعصب کا زہر پیدا کرتی آ رہی ہیں۔

مُسلمان کیا کریں؟

مولانا
اخلاق حسین قاسمی

مسلمان کیا کریں یعنی مسلم جماعتیں کیا کریں؟ یہ سوال بڑا پیچیدہ اور اس کا جواب بہت تفصیل طلب ہے۔ بابری مسجد کے مسئلہ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو شدید نفرت اور اشتعال پیدا کر دیا ہے وہ حد درجہ پریشان کن ہے اور اس سلسلہ میں کسی مسلم جماعت کو ذمہ دار ٹھہرانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

کیوں کہ اس مسئلہ میں دوسرے فریق نے جس میں فرقہ پرست اور قوم پرست دونوں کم و بیش شریک ہیں بہت جارحانہ و جانب دارانہ رویہ اختیار کیا ہے۔

بہرحال اصولی طور پر ہم مسلمانوں کو انفرادی طور پر بھی اور جماعتی طور پر بھی جلد بازی اور شدت پسندی سے دور رہنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ممکن حد تک ہم مسلمانوں کو اپنے واجبی حقوق کی حفاظت کے لئے تحمل اور صبر اور تفہیم و تفہیم سے کام لینا ضروری ہے یہ ہمارے سیاسی حالات کا بھی تقاضا ہے اور ہماری مذہبی ہدایات بھی اسی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ اس ملک کے لئے اگر جمہوریت ضروری ہے تو جمہوریت کیلئے اور الیکشن میں مختلف فرقوں اور متضاد جذبات و مسائل رکھنے والی قوموں اور طبقوں سے ووٹ حاصل کرنے کی غرض سے فرقہ وارانہ، طبقہ وارانہ اور صوبائی احساسات

کو جگانا اور ابھارنا ضروری ہے۔

اگر یہ قومی گناہ ہے تو اس میں کم و بیش فرقہ پرست اور قوم پرست دونوں طاقتیں ملوث رہی ہیں۔

مسلمان انتخابی جماعتیں برائے نام ہیں۔ مسلم لیگ ہو یا مسلم مجلس — لیکن سیکولر جماعتوں کی طرف سے اس قومی گناہ کا ارتکاب برابر ہوتا ہے اور بڑے پیمانہ پر ہوتا ہے۔

اس کا کیا علاج ہے؟ میں نے کانگریس ٹکٹ پر کارپوریشن کا انتخاب لڑا اور دلی جن سنگھ والوں نے میرے خلاف اپنے جماعتی امیدوار کے ساتھ ایک آزاد مسلم امیدوار کھڑا کر دیا جو انتہائی جذباتی تھا اور میں ۳۰ ووٹوں سے ہار گیا۔

اس کے بعد پارلیمنٹ کے الیکشن میں بھی جن سنگھ نے سکندر بخت کو کھڑا کیا اور کانگریس کی مالی امداد پر دلی مسلم لیگ نے اپنا امیدوار کھڑا کیا اور مسلم ووٹ خراب کرا دیے اور کانگریس کا امیدوار جیت گیا۔

آپ ایک سیکولر مفکر ہیں پہلے اس بیماری کا علاج بتائیے؟

مسلم جماعتیں بالفرض اگر اشتعال انگیز طریقہ کار سے باز بھی آ جائیں تو ہندوستان کی قوم پرست جماعتوں کو فرقہ وارانہ اور جانبدارانہ پروپیگنڈہ بازی سے کون روکے گا؟

موجودہ ناکامی میں ملک کی سب سے بڑی سیکولر جماعت کی اسی دو رخی حکمت عملی کو دخل ہے۔ کانگریس نے مسائل کھڑے کر دیے لیکن وہ اسے سنبھال نہ سکی۔

دلی میں ایک جدید طرز فکر نظام الدین کی الرسالہ تحریک نے شروع کر رکھا ہے اور مفکر

صاحب مسلمانوں کو یہ تلقین کر رہے ہیں کہ مسلم پچھلی سیٹ پر بیٹھنے پر رضامند ہو جائیں بس ملک میں امن ہو جائے گا۔

اس بزدلانہ اور بے حمیتا طرز فکر کی حوصلہ افزائی غیر مسلم صاحبان (قومی اور فرقہ پرست دونوں) پوری طرح کر رہے ہیں جنہیں زبردست مالی امداد دی جا رہی ہے۔ اس کا ردعمل بھی شدید ہو رہا ہے۔

مختصر یہ کہ مسلمانوں کے لئے جلد بازی اور بدگمانی اور مایوسی و گھبراہٹ کی راہ اختیار کرنا خودکشی کے برابر ہے اور مسلم رہنماؤں کو مسلم مسائل میں ترجیح قائم کرنی چاہئے۔ ایک ہمارے اصولی مسائل ہیں یعنی شعائر دین کے درجہ میں اور ایک ہمارے معاشی اور سماجی اور شہری مسائل ہیں جن میں ملک کے دوسرے باشندے بھی کم و بیش شریک حال ہیں۔ ان مسائل میں ہمیں مشترک جد و جہد کی راہ اختیار کرنی ضروری ہے اور ہر مسئلہ کو مذہب کا جذباتی مسئلہ نہ بنانا چاہئے۔ ★



پاکستان کی منہ بولتی تصویر



پاکستانی تاجروں کی طرف سے جاری کردہ ایک اشتہار۔ اس اشتہار سے واضح ہے کہ پاکستان کے امن پسند شہری وہاں پھیلی بدامنی اور انتہاپسندی سے کس قدر پریشان ہیں اور انہیں اب پاکستان کا وجود تک اکھرنے لگا ہے۔

مسلم مسائل کا حل شرعی عدالتیں ہیں

مسلمانوں میں یہ احساس بیدار کیا جا رہا ہے کہ وہ دوسرے درجے کے شہری ہیں۔ لیکن ہماری داڑھیوں اور ہماری شریعت میں ہاتھ ڈالا گیا تو صورت حال انتہائی نازک ہو جائے گی۔ اگر مسلم پرسنل لا کو ختم کیا گیا تو مسلمانوں کے لیے جہاد فرض ہوگا یا ہجرت، اس لیے محلوں میں بیٹھ کر باہر کی طاقتوں کی طرف اشارہ نہ کرو۔

مسلم پرسنل لا کو ختم کیا گیا تو مسلمانوں پر جہاد فرض ہوگا...

اس کے علاوہ ہندوستان کے مسلمانوں کے معاشرتی مسائل کا واحد حل یہ ہے کہ ان کی شرعی عدالتیں علیحدہ ہوں اور مسلمان اپنی عائلی زندگی کے مسائل سیکولر عدالتوں میں نہ لے جائیں۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی

موجودہ صورت حال میں سپریم کورٹ کے فیصلے کو مسلم پرسنل لا میں مداخلت قرار دیتے ہوئے کئی علمائے دین اور خصوصاً مولانا اخلاق حسین قاسمی نے اسٹوڈینٹس اسلامک موومینٹ آف انڈیا کے زیر اہتمام منعقد ہوئے مسلم پرسنل لا سیمینار میں ہندوستانی مسلمانوں کے معاشرتی مسائل کا حل یہ بتایا کہ مسلمانوں کی اپنی شرعی عدالتیں ہوں۔ مسلمان اپنی عائلی زندگی کے مسائل سیکولر عدالتوں میں نہ لے جائیں۔ بلکہ مسلمانوں کی عائلی زندگی کے مسائل شرعی عدالتوں میں طے ہوں۔

ہندوستان میں شرعی عدالتوں کا قیام اسی صورت میں ممکن ہے جب تمام مسلمان سنجیدگی کے ساتھ اس امر میں متفق ہوں اور شرعی قوانین کی روشنی میں کیے گیے ان عدالتوں کے فیصلوں کو آخری فیصلہ سمجھتے ہوئے ان پر اعتماد کریں۔

ایس۔ آئی۔ ایم۔ آف انڈیا کے زیر اہتمام مسلم پرسنل لا پر کیے گئے سیمینار میں سامعین کا ایک منظر



بصورت دیگر شرعی عدالتوں میں ہار جانے والا فریق سیکولر عدالتوں کی طرف رجوع ہوگا اور شرعی عدالت کے فیصلوں کی کوئی اہمیت نہیں رہے گی۔ کیونکہ سیکولر عدالتیں ہرگز ان فیصلوں کی پابند نہیں ہوں گی جو شرعی عدالتوں میں کیے گئے ہوں۔

ہماری سیکولر عدالتیں پنچایتوں اور اور دو مخالف فریقین کے درمیان آر۔ بی ٹیٹرز (ثالثوں) کے ذریعہ کیے گئے فیصلوں کا احترام کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ۔ طلاق شدہ عورت کو تاحیات ملنے والے نان نفقہ کے مسئلہ کو سپریم کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں دیکھا جائے تو مسلم معاشرے میں بھی ان جرائم کی ابتدا ہو سکتی ہے جن کا شکار آج دوسرے مذاہب کے افراد ہیں۔

مثلاً اسلام میں کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے بھاری جہیز شرط اول نہیں۔ کم از کم مسلم معاشرہ جہیز کی نامناسب شرائط سے دور ہے۔ اس کے برعکس دیگر مذاہب میں جہیز کو سماجی طور پر ایک لازمی جزو سمجھا جاتا ہے۔ جہیز کی لعنت کے سبب ہی ہزاروں بے گناہ عورتوں کو جلانے اور قتل کرنے کے گھناؤنے جرائم عام ہیں۔



مولانا اخلاق حسین قاسمی

فساد نہیں مسلمانوں کی نسل کشی

ایک ہندو کی حق گوئی

جو لوگ فسادات کو صرف جن سنگھ اور کانگریس کی سیاسی لڑائی سمجھتے ہیں یا فسادات کو لاقانونیت اور غنڈوں کی شرارت قرار دیتے ہیں، وہ حقیقتِ حال سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ فسادات کس قسم کے ہنگامے ہیں؟ علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبہ ہندی کے اُستاد کنور پال سنگھ جی نے ایک مضمون میں اس کی وضاحت اس طرح کی ہے:-

"اس ملک میں خاص کر ہندی علاقوں میں جو سلسلہ فرقہ وارانہ فسادات کا شروع ہوا ہے اُسے کسی مخصوص واقعہ کا ردِ عمل کہہ کر ٹالا نہیں جا سکتا انھیں "فسادات" لکھنا بھی درست نہیں۔ فساد میں دونوں فریق لڑتے ہیں اور دونوں فریقوں کے لوگ گھائل ہوتے ہیں اور موت کے گھاٹ اُترتے ہیں ایسے فسادات ہندوستان میں ۱۹۴۷ء تک ہوا کرتے تھے اس کے بعد سے ان کی شکل ہی بدل گئی ہے۔ اب تو صورتِ حال یہ ہے کہ اکثریت کے فرقہ کے لوگ ذرا سی بات پر اقلیت پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور پھر اقلیتی فرقے کے تمام لوگوں کا قتل و خون شروع ہو جاتا ہے، نیگروؤں کے ساتھ گورے جو سلوک کرتے ہیں وہی برتاؤ ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ ہندوستانی تہذیب اور قوم کے نام نہاد پرستار روا رکھتے ہیں۔ مظفر پور، رتلام، گورکھ پور، میرٹھ، الٰہ آباد وغیرہ کے فسادات بالکل اسی قسم کے تھے جیسے کہ ہٹلر کے برسرِ اقتدار آنے سے پہلے نازی پارٹی کے لوگ یہودیوں کے خلاف کیا کرتے تھے۔"

(دعوت ۵ اپریل ۱۹۶۸ء)

مُسلم اقلیت کے مسائل کا آخری حل،
علیحدہ قومیت؟

مسلم کُش فسادات کا سلسلہ جاری ہے، ہندو راشٹر کے علم بردار بغیر کسی ہچکچاہٹ کے برابر یہ اعلان کر رہے ہیں کہ ہندوستانی مسلمان جب تک اسلام پر قائم رہیں گے ان کی جان و مال کی تباہی کا سلسلہ بند نہیں ہو سکتا،

سیکولرازم اور جمہوریت کے علم بردار حکومت کے اندر اور حکومت کے باہر مسلم اقلیت کے ساتھ زبانی ہمدردی سے زیادہ کچھ کرنا نہیں چاہتے یا کچھ کر نہیں سکتے۔

اِس صورت حال میں مسلم اقلیت اپنی زندگی کا کیا راستہ نکالے؟ اِس پر ماہنامہ آستانہ اپریل ۱۹۶۹ء کے اداریہ میں لکھتا ہے،

فسطائی عناصر یہ بات علی الاعلان کہتے ہیں کہ اگر ہندوستان کے مسلمان ہندوازم میں مدغم نہیں ہوتے اور ہندو کلچر کو نہیں اپناتے تو فسادات نہیں رُک سکتے......

اگر مسلمانوں کو ہندو دھرم میں مدغم کرنے کی منظم تحریکیں جاری رہیں اور فسادات میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا تو انہیں مجبوراً اپنی مستقل قومیت کا اعلان کرنا پڑے گا،

اصل واقعہ تو یہ ہے کہ دو قوموں کی تھیوری کے موجد مسٹر ساورکر، تلک، لالہ لاجپت رائے وغیرہ ہندو لیڈر تھے فرق یہ ہے کہ آج ایک قوم کی تھیوری کا نعرہ خانہ پُری کے لئے لگایا جا رہا ہے، مگر عمل وہی ہے جو دو قوموں کی تھیوری کی طرف لے جاتا ہے،

اگر فسطائی جماعتوں نے مسلمانوں کو مدغم کرنے کی باتیں نہ چھوڑیں اور مُسلمانوں کو دو قومی تھیوری میں اپنا تحفظ نظر آیا تو وہ مجبوراً اس کا اعلان کرنے میں کوئی باک نہیں کریں گے خواہ نتائج کچھ ہوں۔

ہندو راشٹر میں مسلمانوں کے مسئلہ کا حل

سیکولرزم سے مایوس ہو کر مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنے تہذیبی وجود کو نسل کشی کے حملوں سے بچانے کے لئے اس طرح سوچ رہا ہے۔

قیام پاکستان کے تصور کو تقویت اکثریت کی علیٰحدگی پسندی' مذہبی چھوت چھات اور فسطائی قوم پروری سے ملی۔ یہ چیزیں آج بھی اکثریت میں پورے عروج پر ہیں۔ کیا عجب اکثریت کی یہی جارحیت اور فسطائیت ایک اور پاکستان کے جنم کا باعث بن جائے۔

انتقال آبادی
مسلمان پاکستان چلے جائیں

ہندوستان سے فرقہ وارانہ فسادات کے خاتمہ اور مسلمانوں کے مسائل کے حل کی ایک صورت اور تدبیر انتقال آبادی بھی ہے۔ ہندو اکثریت کا ایک عظیم طبقہ جو سوچنے سمجھنے کا عادی نہیں برملا و برجستہ ہیں یہ کہتا ہوا ملتا ہے کہ مسلمانوں نے پاکستان بنا لیا۔ اب وہاں جا کر رہیں۔ ہندوستان میں رہنے کا انہیں کوئی حق نہیں۔ یہاں صرف اسی صورت میں رہ سکتے ہیں کہ اپنا دھرم و مذہب تبدیل کریں اور ہم میں ضم ہو جائیں۔

بظاہر یہ بات وزنی ہے کہ مسلمانوں نے پاکستان بنا لیا اب پاکستان جا کر رہیں۔ لیکن یہ بات برحق نہیں ہے۔ جن لوگوں نے پاکستان بنایا تھا۔ وہ لُٹتے پٹتے۔ کٹتے مرتے پاکستان منتقل ہو گئے۔ تقسیم ملک کے وقت مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد ایسی تھی جو ہندوؤں کی ہم نوا' متحدہ قومیت کی علمبردار اور قیام پاکستان کی مخالف تھی۔ وہی اقلیت آج ہندوستان کی باسی ہے اور اسے یہاں رہنے کا حق ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ ہندوستان کی تقسیم عددی تناسب کی بنیاد پر نہیں ہوئی۔ بلکہ علاقائی اکثریت کی بنیاد پر یہ تقسیم عمل میں لائی گئی ہے۔ ایسا نہیں ہوا ہے کہ اگر ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک اور دو یا ایک اور چار کی نسبت ہے تو اسی نسبت سے متحدہ ہندوستان کا رقبہ

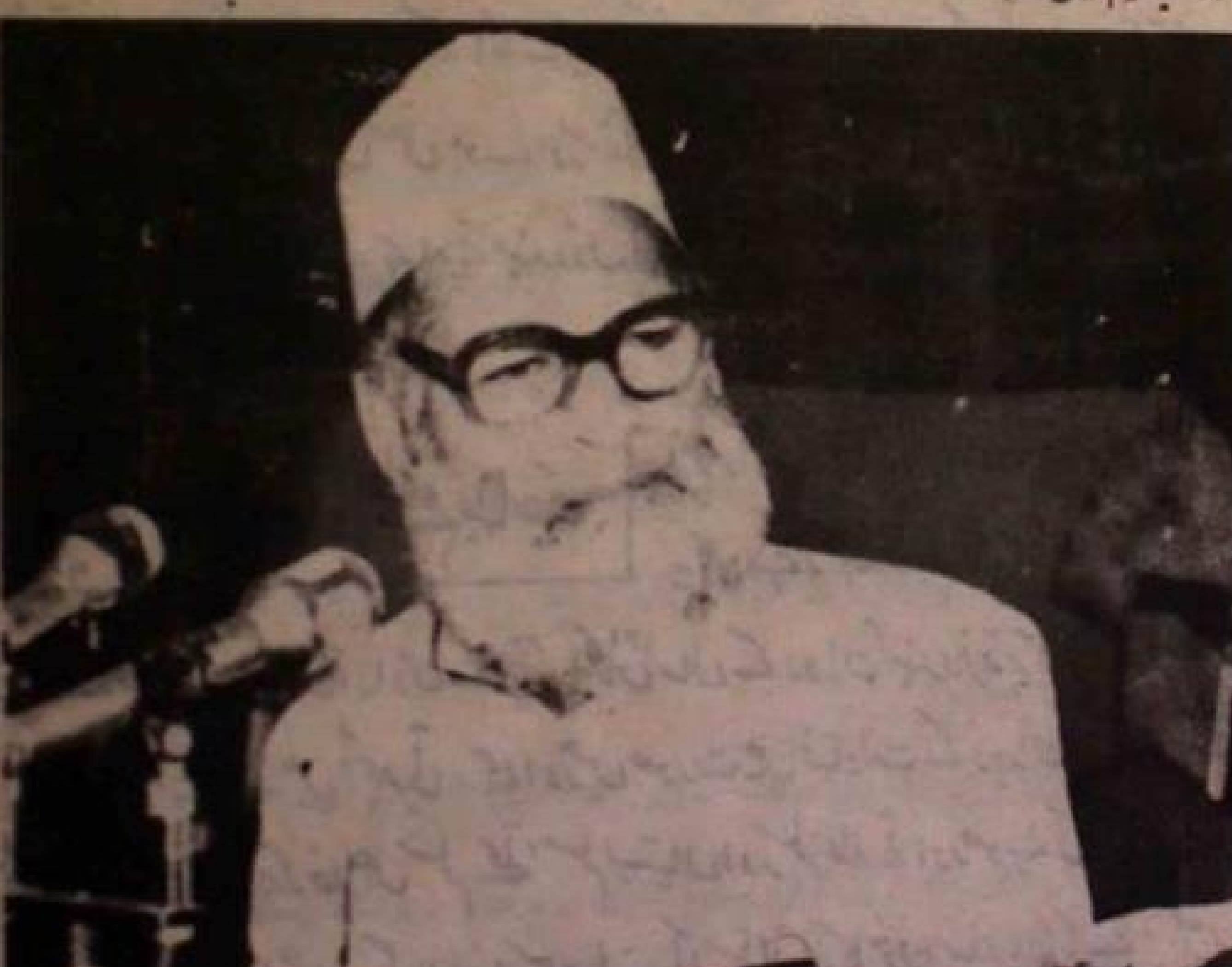
علاقہ بھی پاکستان کو دیدیا گیا ہو۔ بلکہ یہ تقسیم علاقائی اکثریت کی بنیاد پر عمل میں لائی گئی اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بسنے والی اقلیتوں کو دستوری تحفظات دی گئیں۔ ان تحفظات کی بنیاد پر اکثریت کے کسی فرد کو مسلمانوں کو ذلیل اور تنگ کرنے اور یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ مسلمانوں نے پاکستان بنالیا اب تم پاکستان جاکر بسو۔

لیکن اگر ہندو اکثریت واقعی اب یہ چاہتی ہے کہ اُس کا ملک خالص ہندو ملک ہو اور مسلمان کا بچہ بچہ پاکستان منتقل ہوجائے تو پھر ہندو اپنی فیاضی اور اپنی تہذیب و کلچر سے محبت و عقیدت کا ثبوت یہ دیں کہ ہندوستان میں بکھرے ہوئے کروڑوں مسلمان جتنی غیر منتقلہ زمین، جگہ و جائیداد کے مالک ہیں اتنی ہی جگہ و جائیداد پاکستان سے ملحق انہیں دے دی جائے اور انہیں منتقل ہونے اور منتقلہ جائیدادوں کو منتقل کرنے کی ہر طرح کی پُرامن سہولیات فراہم کی جائیں۔ ہم اپنے ہندوؤں کی خوشی کی خاطر یہ وقتی تکلیف بھی انشاءاللہ جھیل لیں گے۔

مسلم محلّے، بستیاں اور علاقے بنائیے

فرقہ وارانہ فسادات کے روک تھام کی ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ ہندو مسلم الگ الگ محلّے، بستیاں اور علاقے بنا دیتے۔ اس آزادی کے بیتے اکیس سال کے دوران ہندو فرقہ پرستی جس نہج پر پرورش پاتی رہی، جس انداز میں اُبھرتی رہی اور جس صورت میں فسادات کے دوران سامنے آتی رہی وہ مجبور کرتی ہے کہ خالص مسلم محلّے، مسلم بستیاں اور مسلم علاقے اور صوبے کی بات سوچی جائے۔ کہیں بندر اور گائے کی اہانت کا بہانہ بنا کر مسلمانوں کا خون بہا دیا جاتا ہے، کہیں مندر اور مسجد کا جھگڑا کھڑا کر کے مسلمانوں کے مال و متاع کو لوٹا جاتا ہے۔ کہیں مذہبی تقریبوں اور تہواروں میں سنگباری اور مداخلت کا الزام لگا کر مسلمانوں کی عزّت و آبرو کو لوٹا جاتا ہے ۔۔ اس طرح کے دسیوں بہانے بنا کر مسلمانوں کی آئے دن خونریزی کی جاتی ہے ان کی زندگی ایک عذاب میں مبتلا ہے۔ لیکن اگر خالص مسلم محلّے۔ مسلم بستیاں اور مسلم علاقے بنا دیئے جائیں، مختلف جگہوں میں آباد مسلمانوں کو ان کی غیر منتقلہ جگہ و جائیداد کی تناسب سے

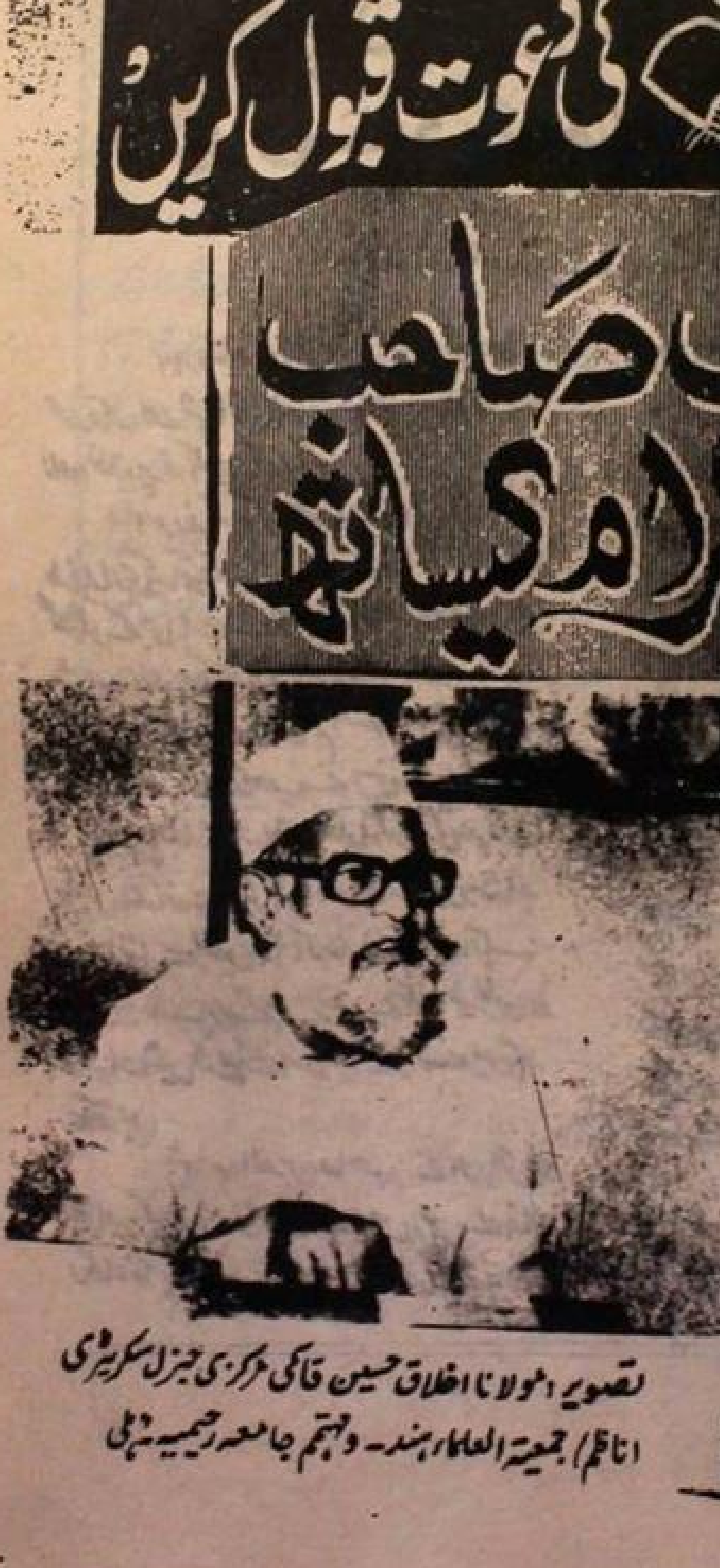
ایماندارانہ طریقہ پر یک جا جگہ و جائیداد دے دی جائے اور ان کے الگ الگ محلے علاقے اور خطے بنا دیئے جائیں تو اگرچہ اس عمل میں کچھ وقتی تکلیفیں اور پریشانیاں ہوں گی لیکن مختلف محلوں، بستیوں اور علاقوں میں بکھری ہوئی ہندو مسلم اقلیتیں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے شر سے بڑی حد تک محفوظ ہو جائیں گی اور حکومت ہند کی وفاداری کے ساتھ دونوں ہی طبقے اپنے مذہبی وغیر مذہبی مراسم بغیر کسی مداخلت کے اور خوف کے ادا کرتے رہیں گے۔ اور اگر کسی نے کسی پر چڑھائی اور حملہ کیا تو یہ بات بھی کھل کر سامنے آجائے گی کہ فی الواقع جارح اور مجرم کون ہے۔



عارف محمد خان کی ٹی، وی گفتگو کا تجزیہ

مباحثہ کی دعوت قبول کریں

عارف صاحب علماء کرام کیساتھ



تصویر: مولانا اخلاق حسین قاسمی مرکزی جنرل سکریٹری (ناظم) جمعیۃ العلماء ہند۔ ومہتمم جامعہ رحیمیہ دہلی



عارف محمد خاں

جو حضرات پیچھے سے عارف صاحب کو قرآن کریم اور احادیث کے بارے میں عجیب و غریب نکتوں سے باخبر کر رہے ہیں وہ عارف صاحب کیساتھ نہایت حسین مذاق کر رہے تھیں۔ اور حکمراں پارٹی کے جو رفقاء تماشہ دیکھ رہے تھیں وہ عارف صاحب کا وزارت سے پتہ کٹوانے کی تاک میں تھیں۔!

۱۶ / اکتوبر کو ٹی وی پروگرام میں عارف محمد خاں اور شہاب الدین صاحب کے درمیان نان نفقہ پر مذاکرہ دکھایا گیا۔

اس مذاکرہ کو ٹی وی والوں نے نہایت طرفدارانہ طریقہ سے دکھایا اور عارف صاحب کی آخری گفتگو کے جوابات سے قارئین کو محروم کر دیا جو شہاب الدین کیطرف سے دیئے گئے،

اس مذاکرہ کا راقم السطور عینی مشاہد ہے عارف صاحب نے اپنی آخری گفتگو میں قرآن کریم بخاری شریف، علماء کرام کی عبارتوں کو جس انداز سے پیش کیا اگر یہ خاکسار خود مشاہد نہ ہوتا تو اسے یقین نہ آتا کہ عارف صاحب ایک ذمہ دار منصب پر ہوتے ہوئے ایسی بے تکی، غیر علمی اور عامیانہ باتیں شریعت اسلامیہ کے بارے میں کہہ سکتے ہیں۔

شہاب الدین صاحب نے ان باتوں کا جواب کیا دیا، ٹی وی نے ہمیں اس سے غافل رکھا، ظاہر ہے کہ شہاب الدین صاحب عالم دین نہیں ہیں، ایک دردمند مسلمان دانشور ہیں، وہ عارف صاحب کی ان تحریفات کو کیسے پکڑ سکتے تھے۔ جو انھوں نے تھانوی کی بیان القرآن اور مودودی صاحب کی حقوق الزوجین کی عبارتوں میں کیں اور ان کی نظر بخاری شریف کی کتاب الطلاق پر کہاں تھی جسکو بار بار عارف صاحب غلط انداز سے پیش کر رہے تھے،

خاکسار نے ایک کھلے خط کے ذریعہ عارف صاحب کو علماء کرام کے ساتھ مباحثہ کی دعوت دی ہے عارف صاحب کو اگر اپنے مطالعہ پر اتنا بھروسہ ہے تو وہ کوئی مناسب مقام اور وقت متعین فرمائیں تاکہ علماء کرام ان سے پرسنل لا کے شرعی پہلوؤں پر آمنے سامنے مباحثہ کریں یا خود قائل ہو جائیں یا پھر عارف صاحب کو اپنی زبان بند کرنے پر اخلاقی طور پر مجبور کر دیں،

ہائے قائد، ہائے قائد

مکرمی! بعض لوگوں نے اس بات کو ایک فیشن بنا لیا ہے کہ وہ ہائے قائد، ہائے قائد کا نعرہ لگانے میں بڑا سکون محسوس کرتے ہیں اور مسلمانوں میں احساس کمتری پیدا کرکے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے قیادت کا حق ادا کر دیا۔

قائد اور قیادت کا ماتم کرنے سے پہلے ہمیں پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ جس عظیم گروہ کو ہم ملت اور امت کے القاب سے یاد کر رہے ہیں کیا وہ اسی معنی میں ایک امت ہے جس معنی میں دنیا کے آخری الہامی اور آسمانی قائد (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے امت بنایا تھا۔

اگر اس مسئلہ پر معمولی غور و فکر بھی کیا جائے گا تو اس کا جواب نفی میں سامنے آئے گا، آج یہ مسلمان گروہ ایک کلمہ توحید پڑھنے کے باوجود مختلف نسلی علاقائی اور اعتقادی حلقوں میں منقسم ہے اور ہر طبقہ اپنے آپ کو صحیح معنی میں امت رسولؐ کہلانے کا مستحق سمجھتا ہے اور اس ہر حلقہ کا ایک قائد موجود ہے۔ جس کے پیچھے اس کے علاقہ اور صوبہ والے مسلمان اس کے ہم عقیدہ مسلمان اس کی برادری والے مسلمان ہزاروں کی تعداد میں چلنے اور اس کی پیروی کرنے میں کامیابی سمجھتے ہیں۔ یعنی یہ امت جتنے خانوں میں بٹی ہوئی ہے اتنے ہی ان کے امام، امیر اور قائد الحمدللہ پوری سرفرازی کے ساتھ موجود ہیں۔

ہاں اگر قائد سے ایسا واحد قائد اعظم مراد ہے جیسا تحریک آزادی کے دور میں جناح صاحب کی صورت میں نمودار ہوا تو وہ جن قومی اور بین الاقوامی حالات کی پیداوار تھا وہ حالات اب پیدا نہیں ہو سکتے جس ملت کے بارے میں یہ کہا جا رہا ہے کہ ملت میں قائد پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے تو وہ ملت جس مفہوم میں ملت ہے یقیناً وہ اپنے قائد پیدا کر رہی ہے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔

میں نے لاہور پاکستان کے ایک حالیہ سیمینار (۲۲ مارچ) میں لطیفہ کے طور پر کہا تھا کہ ہندستانی مسلمان امیر، امیر پکارتے ہیں تو انھیں کوئی امیر نظر نہیں آتا اور پاکستان میں آ کر دیکھو تو یہاں ہر ہر قدم پہ امیر نظر آتے ہیں یہ کوئی مامور نظر نہیں آتا۔ امیر معنی حکم دینے والا اور مامور کے معنی حکم ماننے والا۔

یہ بات دین برحق کا معجزہ ہے کہ اعتقادی، علاقائی اور برادری ازم کے سنگین اختلافات کے باوجود اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے محاذ پر یہ مختلف قائدین کسی نہ کسی حد تک کچھ خوف خدا سے اور کچھ مسلم عوام کے خوف سے ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں اور بقول مرحوم خان عبدالغفار خاں صاحب کے رہنے بیٹھنے کے لیے یہ سر جوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اس سے زیادہ کی توقع کرنا فضول ہے۔

پھر یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ ہم ہندستانی مسلمان ملکی اعتبار سے ایک جمہوری سماج میں رہتے ہیں اور ہمیں اپنے شہری معاملات کے لیے جمہوری نمائندوں سے تعلق رکھنا پڑتا ہے۔ ہمیں کسی فیکٹری کے لائسنس کے لیے اپنے اپنے علاقوں میں امن و امان کی فضا قائم رکھنے کے لیے پولیس کی زیادتیوں کے خلاف آواز اٹھانے کے لیے سڑکوں اور گلیوں کی مرمت کے لیے اپنے اپنے نمائندوں کے پاس جانا پڑتا ہے جس میں ہندو اور سکھ بھی ہوتے ہیں اور کہیں کہیں مسلمان بھی ہوتے ہیں۔

ہلاکو خان کے ہاتھوں بغداد کی بربادی کے بعد

امریکا کے ہاتھوں بغداد کی بربادی

عراق پر امریکی حملے تاریخ کے پس منظر میں

تحریر: مولانا اخلاق حسین قاسمی

جمعرات ۱۷ جنوری ۱۹۹۱ء کی صبح وہ المناک خبر لائی جس سے تمام انصاف پسند دنیا اور خاص طور پر مسلمانانِ عالم بے چین ہو گئے۔

وہ المناک خبر یہ تھی کہ امریکہ اور عیسائی اور یہودی قوتوں نے (چند عرب ملکوں کے ساتھ) بغداد پر خوفناک قسم کا ہوائی حملہ کر دیا۔

پچیس سو ہوائی جہازوں سے پہلے ہی دن اٹھارہ ہزار ٹن بم گرائے گئے۔ یہ وہ ہلاکت خیز مقدار تھی جس نے جاپان کے شہر ہیروشیما کو چند گھنٹوں میں برباد کر دیا تھا اور جاپان نے امریکہ کے اس ہلاکت خیز حملے سے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے تھے لیکن آسمانی نصرت نے صدر صدام حسین اور عراقی فوجیوں اور حیدر کرار، شہداء کربلا اور شیخ جیلانی کے اس غیرت مند اور بہادر تاریخی شہر کے جیالوں نے اپنا حوصلہ قائم رکھا اور اس حملہ میں شریک اسرائیلی حکومت کی راجدھانی پر میزائلوں سے حملہ کر کے یہ ثابت کیا کہ عراق خدا کی مدد سے یہود و نصاریٰ کے غرور کو پاش پاش کر دے گا۔

صدام حسین نے کویت پر حملہ کر کے غلطی کی، لیکن اس نے آخری مطالبہ میں اقوام متحدہ سے یہ معقول اور منصفانہ اپیل کی کہ وہ مسئلہ فلسطین پر ایک بین الاقوامی امن کانفرنس بلانے کا اعلان کر دے۔ عراق کویت سے اپنی فوجیں بلانے کا اعلان کر دے گا لیکن جارج بش کا فوجی غرور آڑے آیا اور اس نے اس معقول مطالبہ کو بھی تسلیم کرنے سے گریز کیا۔ اور کویت کو آزاد کرانے کے بہانے صلیبی جنگ کا اپنا دیرینہ خواب پورا کرنے کے لئے حملہ کر دیا۔

آج صدام حسین حق پر ہے۔ اور امریکہ کے مسلمان اتحادی ملک (سعودی، مصری) امریکہ کے مفسدانہ اقدام میں اس کا ساتھ دے کر تاریخی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

تاریخ دوہرائی گئی

عالم اسلام کی تباہی کا ہر حادثہ مسلمانوں کی خانہ جنگی اور اختلافات کی شدت کے سبب رونما ہوا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا نصرت بالرعب۔ رعب و دبدبہ سے میری مدد کی گئی ہے۔ اسلام اور ملت اسلامیہ کا رعب و دبدبہ اگر ٹوٹا ہے تو آپس کی خانہ جنگی سے ٹوٹا ہے۔

قرآن کریم نے امت کے درمیان خانہ جنگی کو عذاب الٰہی قرار دیا ہے اور پہلی ہلاک شدہ قوموں پر برعکس تباہی کی جو آسمانی اور زمینی صورتیں نمودار ہوئی تھیں ان سے آخری نبی کی آخری امت (خواہ امت اجابت ہو یا امت دعوت یعنی غیر مسلم طبقہ) کو محفوظ رکھنے کا اعلان کیا گیا ہے۔

(قرآن کریم، سورۂ انعام ۶۵)

تاریخ اسلامی میں مسلمانوں پر چنگیز خاں کا حملہ (ساتویں صدی ہجری) نہایت خوفناک بربادی ساتھ لایا تھا۔ اور اس تاتاری فتنہ کے تین تباہ کن محرکات تھے۔ اور ہر تباہ کن انقلاب خود مسلمانوں کی دعوت پر رونما ہوا تھا۔

پہلا چنگیزی اقدام

خلیفہ ناصرالدین عباسی نے اپنے دشمن خوارزم شاہی قبیلہ کے اقتدار کو ختم کرانے کے لئے چنگیز خاں کو دعوت دی اور اس خونخوار وحشی درندے نے خوارزم شہر پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔

خلافت عباسی کے حکمراں اس قدر بزدل اور عیش پرست ہو گئے تھے کہ وہ اپنے ایک مخالف قبیلہ کی سرکوبی کرنے کے قابل بھی نہ رہے تھے۔

دوسرا چنگیزی اقدام

چنگیز خاں کی موت کے بعد اس کی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور مسلمانوں کا علاقہ اس کے پڑپوتے ہلاکو خاں کے قبضہ میں آیا۔ اس کے دور میں خراسان (ایران) کے حنفیوں اور شافعیوں کے اندر فقہی اختلاف نے شدت اختیار کی یہاں تک کہ خانہ جنگی کی نوبت آگئی اور اس کے نتیجہ میں طوس کے حنفیوں نے اپنی مدد کے لئے ہلاکو خاں کو خراسان وغیرہ پر قبضہ کرنے کی دعوت دی اور ہلاکو نے قبضہ کر کے نہ حنفیوں کو بخشا اور نہ شافعیوں کو معاف کیا۔

تیسرا چنگیزی اقدام

ہلاکو خاں اپنی زبردست فوجی طاقت کے باوجود ایران سے آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکا لیکن بغداد کے شیعہ وزیر ابن علقمی نے سنیوں کی زیادتیوں سے تنگ آ کر نصیرالدین طوسی (وزیر ہلاکو خاں) کے توسط سے ہلاکو کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور ہلاکو خاں نے خلافت عباسی کی کمزور حکومت کو ملیامیٹ کر دیا۔

چنگیز خاں (تیموجن) نے سنہ ۶۱۲ھ (سنہ ۱۲۱۱ء) میں خوارزم شہر کو فتح کیا اور ہلاکو خاں نے ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں بغداد پر حملہ کر کے خلافت عباسی کا آخری نشان بھی مٹا دیا۔ عباسی خلافت کا آخری حکمراں المعتصم باللہ تھا جو تاتاری فوجوں کے ہاتھ سے شہید ہوا۔

چوتھا امریکی اقدام

تاریخ سعودی حکمرانوں کے اس فعل کو ملی غداری کا چوتھا اقدام قرار دے گی جس کے نتیجہ میں امریکہ اور یہودی سرزمین حجاز میں اپنی پوری قوت کے ساتھ براجمان ہو گئے۔ اور سعودی حکومت کویت پر حملہ کے بعد عراقی حملے سے اس قدر خوف زدہ ہو گئی کہ سرزمین حرم پاک پر یہود و نصاریٰ کے منحوس قدموں کے بدترین نتائج بھی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

اسلامی تاریخ ماتم کرے گی کہ بڑی بڑی مسلم حکومتیں اور عرب بادشاہتیں مل کر بھی اپنے آپسی مسئلہ کو حل کرنے کے قابل ثابت نہ ہوئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

بغداد کانفرنس کا فیصلہ

۱۶-۱۷ مئی سنہ ۱۹۹۰ء کو بغداد میں موتمر الاسلامی عراق کے زیر اہتمام دو روزہ بین الاقوامی اجلاس منعقد ہوا جس کا مقصد صہیونیت کے جارحانہ اقدام کے خلاف عراق کی حمایت کا اعلان تھا۔

اس کانفرنس میں عرب و عجم کے ممتاز اہل علم و دانش اور سیاسی نمائندہ شامل تھے اور ان سب نے نہایت جوش و جذبہ کے ساتھ صدر صدام حسین کی تائید و حمایت کا فیصلہ کیا تھا۔

مصر کے ایک پرانے اخوانی قائد نے درد و کر عرب حکمرانوں کی غفلت شعاری اور تن آسانی پر اظہار خیال کیا تھا اور عرب ملکوں کے رقیبانہ اختلافات پر ماتم کیا تھا اور اسرائیل کے ظالمانہ اقدام کی ساری ذمہ داری عرب حکمرانوں کی بے عملی اور خود غرضی پر عائد کی تھی۔ اس عرب شیخ نے ساری کانفرنس پر رقت طاری کردی تھی اور تمام مجمع مجاہد اعظم صدام حسین زندہ باد کے نعروں سے گونج گیا تھا۔

اس کانفرنس کی کامیابی کے بعد یہ خطرہ نظر آرہا تھا کہ اسرائیل کا سرپرست امریکہ اور امریکہ کے زیر سایہ پلنے والے عرب حکمراں صدام حسین کے اعلان کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے چنانچہ ایک اخباری (الثورہ بغداد) انٹرویو میں اس ناچیز نے یہ کہا تھا کہ موتمر الاسلامی کی یہ کامیابی صدر صدام حسین کے لیے خطرہ کا الارم بن سکتی ہے اور تمام عالم اسلام اس خطرہ میں صدر صدام حسین کے ساتھ ہے۔

اور ہندوستان کی سیکولر حکومت اور اسکے جمہوریت عوام نے ہمیشہ عرب اسرائیل مسئلہ میں عربوں کے کاز کی حمایت کی ہے۔ جنتا دل حکومت کے وزیر خارجہ مسٹر گجرال بھی اس موقع پر بغداد پہنچ گئے تھے اور گجرال نے ہندوستانی سفارت خانہ کی تقریب استقبالیہ میں صدر صدام حسین کے منصفانہ عزائم کی تائید کی تھی

امریکہ، کویت سازش

امریکہ نے صدام حسین کے اس اعلان جہاد کے بعد صدام حسین کے خلاف کویت کی سرزمین کو سازش کا مرکز بنانا شروع کردیا اور اپنی سازشی حرکتوں کو تیز کردیا۔

سعودی عرب کے حکمراں ہوں یا کویت کے حکمراں، ان لوگوں نے اگر عراق ایران جنگ میں عراق کی مدد کی تھی تو اسکا صلہ بھی ان حکمرانوں کو حاصل ہوگیا تھا اور ایرانی انقلاب کے خمینی سیلاب سے ان شاہوں کی جانیں بچ گئی تھیں۔

عراق ایران جنگ ختم ہونے کے بعد عراق کی معیشت خراب ہوگئی تھی۔ ہم نے موتمر اسلامی عراق کے اجلاس میں شرکت کے موقع پر بغداد، نجف اشرف اور کربلا کے بازاروں میں چل پھر کر عراق کی گرانباری کو دیکھا تھا۔ سگریٹ کی ایک ڈبہ ہندوستانی کرنسی کے حساب سے (۴۱) روپیہ کی تھی۔ کپڑے کی اعلیٰ دکانوں پر موٹے جھوٹے معمولی کپڑوں کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا تھا

صدام حسین نے بغداد کے قدیم شیعہ سنی اختلافات کی شدت کو ختم کرکے مسلمانوں کو ان کی اصلی حالت یعنی خیرات اور اعتدال پسند جماعت کی امتیازی شان کی طرف لوٹا دیا ہے۔ اور اسی ملی اتحاد کی بدولت عراق نے گیارہ سالہ جنگ پر فتح حاصل کی

موتمر کے اجلاس میں سنی اور شیعہ علماء و مشائخ الگ الگ امتیازی لباس میں نظر آرہے تھے مگر سنی اور شیعہ مقامات مقدسہ پر آپسی اختلافات کی کوئی علامت، بحث ومباحثہ، طنز و طعن اور علیحدگی پسندی کی باتیں قطعاً نظر نہیں آئیں۔ جب کہ حرمین شریفین کی حفاظت کے علمبردار فقہی اختلاف کی شدت میں اس قدر مبتلا نظر آتے ہیں کہ انہیں سلفی مسلک کے سوا کہیں حق نظر نہیں آتا اور سلفی حلقوں کے سوا کوئی دینی حلقہ مستحق توجہ نہیں سمجھا جاتا۔ یا پھر صرف ایک جماعت اسلامی کو حق کا علمبردار سمجھا جاتا ہے اسی مذہبی تنگ نظری کا نتیجہ ہے کہ آج موجودہ نازک حالات میں امت مسلمہ کی اکثریت کویتی اور سعودیوں کے ساتھ ہمدردی کے جذبے سے خالی ہے۔

سعودی حکومت نے امریکہ کو دعوت دے کر پوری ملت اسلامیہ کے وقار کو مجروح کیا ہے یقیناً مسلم حکومتیں کویت پر قبضہ کے مسئلہ کو حل کرا دیتیں اور سرزمین حجاز پر یہود و نصاریٰ کے ناپاک قدم پڑنے کی نوبت نہ آتی۔

جنگ کا انجام کیا ہوگا؟

خدا ہی غیب کی خبر کو جانتا ہے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں صدام حسین کی مردانہ غیرت نے اور عراقی عوام کی بے مثال حوصلہ مندی نے امریکہ کے جارج بش کے غرور کو خاک میں ملا دیا ہے۔

سوویت یونین کے سیاسی زوال کے بعد امریکہ کی واحد ٹھیکہ داری کے تصور کو صدام حسین نے پاش پاش کردیا ہے اور یہ صرف خالی خولی جذبات سے نہیں ہوا بلکہ قرآنی حکم واعدوا لهم ما استطعتم الخ کی تعمیل سے ہوا۔ یعنی اے مسلمانو! تم مقدور بھر اپنے دفاع کی تیاری کرتے رہو۔

تعارف و تبصرہ

تصنیفات

اور

تحقیقی علمی مقالات

اصلاحی اور تاریخی مضامین کی فہرست

مولانا

اخلاق حسین صاحب قاسمی

مکتبہ رحمتِ عالم

۱۸۳۸- شیخ چاند لال کنواں دہلی

تعارف تصنیفات مولانا اخلاق حسین قاسمی

	نام تصنیف	صفحات	سن تالیف	قیمت	مطبوعہ
۱	مستند موضح قرآن	۱۰۰۰	۱۹۷۰ء		زیر طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۲	محاسن موضح قرآن	۸۰۰	۱۹۷۲ء	۷۰ روپے	مولانا سعید الرحمٰن علوی، شاہ جمال لاہور۔
۳	مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت	۳۷۱	۱۹۸۸	۵۰ ″	مکتبہ رحمتِ عالم دہلی۔
۴	بریلوی ترجمہ کا علمی تجزیہ	۱۵۲	۱۹۸۲	۲۵ ″	مطبوعہ لاہور، مکتبہ رحمت عالم دلی
۵	مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور ان کے ناقد	۲۲۱	۱۹۸۳ء	۲۵ ″	″ ″ ″
۶	تفسیر سورۂ یوسف از: مولانا ابوالکلام آزادؒ	سائز کلاں ۵۵		بلاقیمت	مکتبہ رحمت عالم دلّی
۷	رسول اکرمؐ کی انقلابی سیرت	۳۰۰	۱۹۸۷ء	۵۰ روپے	″ لاہور پاکستان
۸	شاہ ولی اللہ اور ان کا نسبی اور فکری خاندان	۱۵۰	۱۹۸۴ء	۱۰ روپے	″ ″
۹	اخلاق رسولؐ مکمل	۱۳۰۰	۱۹۶۱ء	۴۰ ″	دلّی، لاہور، کراچی
۱۰	معاشرہ پر عورت کا احسان	۱۵۰	۱۹۸۰ء	۸ ″	مکتبہ رحمتِ عالم دلّی
۱۱	ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم	۲۰۰	۱۹۵۰ء	۱۵ ″	″
۱۲	اسلام سب کا فائدہ چاہتا ہے	۴۸	۱۹۶۰ء	بلاقیمت	″
۱۳	اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق	۲۵۰	۱۹۶۰ء	۱۰ روپے	″

	نام تصنیفات	صفحات	سن تالیف	قیمت	مطبوعہ
۱۴	اسلام میں سماج سیوا کا استھان ہندی	۱۵۰	۱۹۶۵	۵۰ روپے	مکتبہ رحمت عالم دلی
۱۵	اسلام میں رفاہِ عام	۱۵۰	〃	۸ 〃	〃 〃
۱۶	خلفائے راشدین	۴۸	۱۹۹۰ء	بلا قیمت	محمد مرزا صاحب ترکمان گیٹ دلی
۱۷	اخلاق رسولؐ مختصر	۴۸	〃	〃	عبد المجید صاحب مٹیا محل دلی
۱۸	مودودی صاحب کی تفسیر پر ایک نظر	۴۸	۱۹۶۰ء	〃	رحمت عالم دلی
۱۹	مختصر تاریخ ملت	۱۵۰	〃	۸ روپے	〃
۲۰	فرقہ پرستی کی آگ	۱۰۰	۱۹۷۲ء	۸ 〃	〃
۲۱	شہدائے حق	۱۵۰	۱۹۶۱ء	۱۰ 〃	〃
۲۲	اہل اللہ کی عظمت				
۲۳	علماء دیوبند کی نظر میں	۱۰۰	۱۹۷۵ء	۵ 〃	〃
۲۴	تحفۃ الابرار احکام و عبادات	۲۰	۱۹۵۱ء		مکتبہ قاسمی جموں
۲۵	وفات النبیؐ	۱۵۰	۱۹۴۵ء		دینی بک ڈپو، دلی، مکتبہ رشیدیہ کراچی
۲۶	رسول اکرمؐ پر جادو ٹونے کا جھوٹا افسانہ	۱۰۰	۱۹۹۰ء	بلا قیمت	مکتبہ رحمتِ عالم
۲۷	اسلامی عقائد اردو اور ہندی	۴۸	۱۹۶۰ء	〃	〃
۲۸	جمعیۃ علماء ہند، کا تعمیری پروگرام	۱۵۰	〃	〃	الجمعیۃ بک ڈپو، دلی
	سماجی اقتصادی اور اصلاحی			〃	
۲۹	حج کے مقدس مقامات	۱۰۰	〃	〃	ادارہ رحمت عالم دلی کے اصلاحی اور تبلیغی کتابچے
۳۰	حج کا آسان طریقہ	۴۸	〃		
۳۱	جمعہ کے آسان خطبات	۴۸	۱۹۵۰ء	〃	〃 〃

	نام تصنیف	صفحات	سن تالیف	قیمت	مطبوعہ
۳۲	تعلیم الدین۔ بچوں کا قاعدہ	۴۸	۵۰ء		″ ″
۳۳	قومی اتحاد، اردو، ہندی، انگلش	۴۸			″ ″
	ازمولانا محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند				″ ″
۳۴	انقلابی دعوت				″ ″
	تقریر مولانا حفظ الرحمن صاحبؒ				″ ″
۳۵	اسلام کا عادلانہ نظام				″ ″
	ازمولانا سید حسین احمد مدنیؒ				
۳۶	ہم اور ہمارے حکمراں				″ ″
	ازمولانا احمد سعید صاحب دہلوی				
۳۷	رحمت عالم گھر والوں کیساتھ				″ ″
۳۸	افضل الانبیاء از مولانا اشرف علی تھانوی	۴۸	۵۲ء		″ ″
۳۹	عدل اسلامی انگلش	۵۰	۵۶ء	بلاقیمت	الجمعیۃ بک ڈپو، دلی
۴۰	پانچ پیشین گوئیاں، اردو ہندی انگلش	۸	۵۷ء	″	ادارہ رحمت عالم دلی
۴۱	سیرت چارٹ رنگین	۳۰×۲۰ پوسٹر	۵۵ء	″	″ ″
۴۲	ماہنامہ نظام ملت		۶۶ء		″ ″
۴۳	اسلام کیا کہتا ہے؟	۱۵۰	۶۱ء	۱ روپے	کتب خانہ نور محمد و دیگران دلی
۴۴	قصص القرآن				
	ازمولانا ابوالکلام آزادؒ	۳۰۰	۹۰ء	زیر ترتیب	نمونہ آگے شامل ہے۔
۴۵	دنیا اور اس کی فضیلت	۱۶	۸۲ء		اہل میرٹھ شاہ گھاسا بازار
					(۱۳ر جون ۱۹۹۰ء)

مولانا اخلاق حسین قاسمی کے تحقیقی علمی مقالات (مطبوعہ)

۱ جنت کا شجر ممنوعہ، تفسیر بالرائے، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند دسمبر ۱۹۵۲ء

۲ دنیا کی مذمت اور قرآن حکیم 〃 رجب و شعبان ۵۳ء

۳ علّم الاسماء میں علم اسماء سے کیا مراد ہے؟ الجمعیۃ جمعہ ایڈیشن ۱۹۷۰ء
مولانا وحید الدین خان ایڈیٹر جمعہ ایڈیشن پر تنقید

۴ قانون عذاب الٰہی اور قرآن حکیم، دارالعلوم محرم ۱۹۷۱ء صفر ۱۹۷۱ء

۵ قرآن کا نظریہ رحمت 〃 جمادی الثانی ۱۹۷۲ء

۶ رحمت کا حقیقی سرچشمہ 〃 اپریل ۱۹۵۷ء مئی ۱۹۵۷ء

۷ شوریٰ کی اسلامی حیثیت اور مولانا اخبار نو دہلی ۱۹۸۴ء
جلال آبادی صاحب کی کمزور رائے

۸ ہندوستان میں رسولوں کی آمد اور ماہنامہ روبی دہلی دسمبر ۱۹۸۴ء
بشاراتِ احمدی کے اقتباسات

۹ سرورِ کونین کی معجزانہ قیادت دارالعلوم دیوبند اکتوبر ۱۹۷۹ء
〃 〃 〃 نومبر ۱۹۷۹ء

۱۰ ملّی اتحاد کے لیے علماء حق کی جدوجہد 〃 〃 ستمبر ۱۹۸۰ء

۱۱ مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب کی قرآن فہمی، دارالعلوم دیوبند جنوری ۸۱ء

۱۲ اسلام میں مذہبی آزادی کا تحفظ 〃 〃 اکتوبر ۷۵ء
اسلام میں اقتصادی انصاف 〃 〃 نومبر ۷۵ء

۱۳ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن 〃 〃 اپریل ۸۱ء
کا بے لاگ عدل قائم کیا۔ 〃 〃 مئی ۸۱ء

۱۴	جماعت شیخ الہند کا منظور نظر مولانا محمد طیب صاحب کی یاد	اشاعت حق دیوبند کا حکیم الاسلام نمبر ۲۲ اگست سنہ ۸۳ء
۱۵	کافر قرآن کی نظر میں	الجمعیۃ، جمعہ ایڈیشن ۹ مئی سنہ ۵۰ء
		" "
۱۶	فاتح ایران حضرت سعد ابن وقاص کی سعادت وخشیت	۲۸ اگست سنہ ۵۰ء
۱۷	آسمانی سفر کے مشاہدات	ماہنامہ طیب دیوبند سنہ ۸۴ء
۱۸	مولانا آزاد اور ترجمان القرآن وہ مقالہ جو آزاد سیمینار ہریانہ منعقدہ نوح کالج گوڑگانوہ میں پڑھا گیا۔	شائع شدہ اردو اکیڈمی ہریانہ مئی سنہ ۸۱ء
۱۹	خطبہ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء صوبہ دہلی	۱۵ نومبر سنہ ۶۸ء
	جنوبی ہند کی ایک نادر اردو تفسیر فیض الکریم	شائع شدہ حکمت قرآن لاہور سنہ ۸۹ء الفیصل حیدر آباد سنہ ۹۰ء
۲۰	غلبہ حال اور انبیاء علیہم السلام	حکمت قرآن لاہور سنہ ۸۷ء
	اردو کی سب سے پہلی تفسیر تفسیر مرادیہ کا تعارف	برائے سیمینار خدا بخش لائبریری پٹنہ ——— بہار، اکتوبر سنہ ۸۸ء
۲۱	اسلام میں شوریٰ کی اہمیت وہ مقالہ جو حیدر آباد کے سیمینار میں پڑھا گیا۔	شائع شدہ الفیصل حیدر آباد سنہ ۸۵ء
۲۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے واقعہ کی تحقیق	حکمت قرآن لاہور سنہ ۸۵

۲۳ نبی اکرم علیہ اسلام اور تکوینی اختیار — "حکمتِ قرآن" " "

۲۴ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی
عبدیت کاملہ کا سیاسی پہلو " "

۲۵ سیکولر ملکوں میں اسلام کا رول — ۸ر اکتوبر ۱۹۸۲ء
وہ مقالہ جو سری نگر میں تیرھویں صدی ہجری کے موقع پر
منعقدہ سیمینار میں پڑھا گیا اور سیمینار کی طرف سے شائع کیا گیا

۲۶ حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت اور ہندوستان
سے مسلمانوں کا ترک وطن — ماہنامہ طیب دیوبند مارچ ۸۵ء

۲۷ بنی اسرائیل اور امت مسلمہ میں مشابہت
ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ایک تبصرہ کا تجزیہ — ماہنامہ طیب اپریل ۸۶ء

۲۸ حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کے واقعہ
سے غلط استنباط — ماہنامہ دار العلوم ۷۵ء

۲۹ مولانا دریا آبادی کے تفسیری نوٹ کا تجزیہ

۳۰ قرآن کریم کا نظام عدل — حکمت قرآن ۸۲ء

۳۱ پاکستان میں جذباتی سیاست کا مستقبل، ندا، لاہور، ۲۵ اکتوبر ۸۶ء

۳۲ قرآن کریم اور مولانا سید انور شاہ صاحب
جو شاہ صاحب پر منعقدہ سیمینار سری نگر میں — ۲۰ر اکتوبر ۱۹۷۷ء
پڑھا گیا اور سیمینار کے مجموعہ مضامین شائع ہوا

۳۳ مولانا حسین احمد مدنی "اسلام کی اخلاقی حجت"
جو شیخ الاسلام نمبر میں شائع ہوا، یہ مقالہ شیخ الاسلام سیمینار
۱۸ر مارچ ۱۹۸۵ء کے لیے لکھا گیا۔ — شیخ الاسلام سیمینار نمبر ۱۹۹۰ء

۳۴ خمینی ازم ائمہ اہل بیت سے بغاوت ہے
مجموعہ مضامین "خمینی اور اسلام" میں شائع ہوا ۱۹۸۵ء

۳۵ قرآن کریم کس معنی میں شفاء ہے؟
نئی دنیا کے قرآن نمبر میں شائع ہوا نئی دنیا، مئی ۱۹۸۹ء

۳۶ کیا حضور شاعر تھے،؟ حکمت قرآن، فروری ۱۹۸۹ء

۳۷ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت
اہل سنت کی نظر میں ماہنامہ ریاض الجنۃ. جونپور، اپریل ۸۹ء

۳۸ جمہوری حکومت میں عورت کی حکمرانی نئی دنیا دلی ۱۹۸۹ء

۳۹ کیا رجم حد شرعی ہے۔؟ مشرقی آواز ۸۵ء

۴۰ مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ مفتی عتیق الرحمان نمبر ۱۹۹۰ء
مفتی صاحب نمبر میں شائع شدہ مضمون، جس میں جمیعۃ علماء اور
دارالعلوم دیوبند کے خلفشار پر مختصر تبصرہ کیا گیا ہے۔

۴۱ انفاس العارفین اور مقدمہ القول الجلی پر
تحقیقی نظر، شاہ ولی اللہ صاحب کے تجدیدی مشن کو مسخ کرنے کی کوشش

۴۲ دعوت عام میں تالیف قلب کا قرآنی اسلوب
اور بیان القرآن کا تعبیری تسامح برائے حکمت قرآن بھیجا گیا، مئی ۱۹۹۰ء

۴۳ مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت (عربی)
مولانا آزاد صدی کے موقعہ پر ثقافۃ الہند نمبر جلد ثانی ۱۹۸۸ء

۴۴ الفرقان کی تفسیر
فرقان نظری، فرقان عملی اور فرقان سیاسی
تقریر افتتاح سورۃ فرقان، ترجمہ مسجد حوض والی ترکمان گیٹ دلی
تا ۳ر جون ۱۹۹۰ء

MONTHLY
Nizam-e-millat
DELHI
ماہنامہ
نظامِ ملّت دہلی
رحمتِ عالم کانفرنس دہلی کا دینی تبلیغی و اصلاحی

Editor
مدیر اعلیٰ :-
Maulana Akhlaq Hussain Qasmi مولانا اخلاق حسین قاسمی

جلد نمبر ۱	بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ مطابق اگست ۱۹۶۶ء	شمارہ نمبر ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بارگاہِ حق میں دُعار

اے آسمان و زمین کے پروردگار ! تیرے بندے تیری تعلیم سے دُور ہو کر جن اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں اُن کا انجام سب کی آنکھوں کے سامنے ہے، کوئی پریشانی، کوئی تکلیف، کوئی دُکھ ایسا نہیں جس نے ہم سب کو بے کل اور بے چین نہ کر رکھا ہو۔

اے تمام انسانوں کے خدا۔ !

تیرے احکام ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی اور یہودی، پارسی سب کے لئے ہیں، تو نے سب کو نیکی اور شرافت کے راستے پر چلنے کی ہدایت کی ہے، لیکن ہندو ہو یا مسلمان، سکھ ہو یا عیسائی آج سب کے سب تیرے رسولوں کے راستے سے ہٹ کر شیطان کے پیچھے چل رہے ہیں اور سب دیکھ رہے ہیں کہ تباہی کا جہنّم سامنے دہک رہا ہے دو چار قدم اور آگے بڑھے اور سب کے سب اس میں جل کر بھسم ہوئے۔

اے ربِّ محمدؐ ! ہم مسلمانوں کو تو نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں "خیرِ اُمّت" (بہترین گروہ) قرار دیا ہے اور یہ فرض ہمارا ہے کہ ہم آگے بڑھ کر گرتی ہوئی انسانیت کا بازو پکڑیں، ہدایت کے پیاسوں کو اسلام کے کوثر کا جام پلائیں۔

ہم اپنا فرض ادا کر رہے ہیں آقا۔ ! تو ہماری آواز کو با اثر بنا دے، دلوں کی کھڑکیاں اور دماغوں کے کواڑ کھل جائیں، آنکھوں کے اوپر سے تعصب کے پردے ہٹ جائیں اور سب کو نظر آنے لگے کہ رحمت والے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت کے سوا انسانیت کے لئے کہیں پناہ نہیں۔

اخلاق حسین

طابع و ناشر مولانا اخلاق حسین قاسمی، مطبع اعلیٰ پریس بلیماران دہلی۔ مقام اشاعت :- دفتر رحمتِ عالم کانفرنس۔ لال کنواں۔ دہلی
چندہ عام پانچ روپے سالانہ۔ فی پرچہ پچاس پیسے۔

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ

یہ قرآن بتاتا ہے وہ راہ، جو سب سے سیدھی ہے

(بنی اسرائیل ۹)

مستند

موضح قرآن

مع فوائد

از حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی

متوفی سنہ ۱۲۳۰ھ

تصحیح و تشریح

از مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی

ناشر ادارہ

رحمتِ عالم ۳ شیخ چاند اسٹریٹ لال کنواں دہلی

نمونہ مستند موضح قرآن

تصحیح شدہ موضح قرآن شاہ عبدالقادر صاحبؒ محدث دہلوی

مرتبہ — حضرت مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ

اب کہیں گے بے وقوف لوگ ، کا ہے پر پھر گئے مسلمان

قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ

اپنے قبلے سے جس پر تھے ۔ تو کہہ اللہ کی ہے مشرق اور مغرب

يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَكَذٰلِكَ

چلادے جس کو چاہے سیدھی راہ ف۱ اور اسی طرح

جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ

کیا ہم نے تم کو اُمت معتدل ، کہ تم ہو بتانے والے لوگوں پر

يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ

اور رسول ہو تم بتانے والے پر ف۲ اور وہ قبلہ جو ہم نے ٹھہرایا

الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ

فوائد

(شاہ عبدالقادر صاحبؒ)

ف۱ : حضرت جب مکے سے مدینہ میں آئے، سوا برس نماز پڑھی۔ بیت المقدس کیطرف پھر حکم آیا پڑھو کعبے کیطرف تب یہود اور بعضے کچے مسلمان ان کے بہکانے سے شبہے ڈالنے لگے کہ وہ قبلہ تھا سب نبیوں کا اس کو چھوڑنا نشان نبی کا نہیں، اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ لوگ یوں ہی کہیں گے ۔ ۱۲۔ منہ رح

ف۲ : یعنی جس طرح ان دو باتوں میں دیکھا کہ تمہارے پاس ہے پوری بات اور مخالفوں کے پاس ناقص ایک یہ کہ تم سب نبیوں کو مانتے ہیں اور یہود و نصاریٰ کسی کو مانتے ہیں کسی کو نہیں۔ دوسری یہ کہ تمہارا قبلہ کعبہ ہے کہ ابراہیم کے وقت سے مقرر ہوا ہے۔ ابراہیم پیشوا ہے سب کا اور یہود و نصاریٰ کا قبلہ پیچھے ثابت ہوا اسی طرح ہر بات میں تم پورے ہو اور امتیں ناقص ان کو حاجت ہے کہ تم بتاؤ اور تم کو حاجت نہیں کہ کوئی امت بتا دے مگر تمہارا نبی ۔ ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالیٰ

ف۳ یعنی تمہارا قبلہ ابراہیم کے وقت سے کعبہ مقرر ہے اور چند روز بیت المقدس ٹھہرایا ایمان آزمانے کو اور اسمیں جو لوگ ایمان پر قائم رہے ان کو بڑا درجہ ہے ۔ ۱۲ منہ رح

مولانا اخلاق حسین قاسمی کے

(۲) اصلاحی اور تاریخی مضامین کی فہرست

۱ سرزمین سندھ میں اسلام کا خیر مقدم	سہ روزہ الجمعیۃ ۲۸ نومبر ۷۵ء
۲ ہندو مسلم تعلقات کی مذہبی نوعیت کیا ہے؟	مشرقی آواز ۱۹۸۷ء
۳ قرآن کریم اور عبادت گاہوں کا تحفظ مولانا آزاد کا تفسیری تبصرہ	” ”
۴ مولانا عبید اللہ سندھیؒ	قومی آواز ۲۹ دسمبر ۸۵ء
۵ اہل ہند کی حق شناسی، راجہ وبھ رائے کا اسلام	عوام دلی ۸۳ء
۶ تحریک خلافت کے دو قائد	مشرقی آواز ۸۱ء
۷ مولانا آزادؒ کی دینی اور عباداتی زندگی	شاہی مراد آباد ۸۵ء
۸ حضرت شیخ الہند اور انتخاب امام الہندؒ	میثاق لاہور، فروری ۸۷ء
۹ حکومت خدا تعالیٰ کی ایک نعمت ہے. وہ اپنی مصلحت کے مطابق جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے	غیر مطبوعہ جولائی ۹۰ء
۱۰ اسلام میں عورت کا اخلاقی مقام	نئی دنیا، اگست ۸۴ء
۱۱ اسلامی مساوات کے مختلف پہلوؤں کا تحقیقی جائزہ	مشرقی آواز، جون ۸۷ء
۱۲ مساوات کے نام پر امت میں انتشار پھیلانے کی سازش	” ” ستمبر ۸۷ء
۱۳ سیوا جی کے مسلمان گرو، شیخ یعقوب سہروردیؒ	قومی آواز ۱۱ مارچ ۸۶ء
۱۴ خمینی صاحب کے فرمان قتل کی شرعی حیثیت حدود اللہ کا اجرار اسلامی حکومت کا کام ہے۔	نئی دنیا اکتوبر ۸۵ء

۱۵ قرآن کریم کی (۴۲) آیاتِ جہاد کی تشریح فرقہ پرستوں کا جواب	غیر مطبوعہ
۱۶ عید الفطر، روحانی سرفرازی اور سیاسی فتح کی یادگار	"
۱۷ معانقہ، مصافحہ، قدم بوسی، تحقیقی مضمون	"
۱۸ تصوف کے بارے میں دو متضاد نظریے	"
۱۹ فضائل اہل بیت، نماز میں درود کی اہمیت امام شافعی کا مسلکِ حق	"
۲۰ اموی حکمرانوں کا عروج وزوال	قومی آواز ۲۵ ستمبر ۸۹ء
۲۱ شخصیت پرستی کے خلاف، مولانا آزاد کا تفسیری تبصرہ	وہ مقالہ جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات میں پڑھا گیا، اپریل ۹۰ء
۲۲ وحی الٰہی کی حقیقت	غیر مطبوعہ
۲۳ استعاذہ، تعوذ اور تعویذ	"
۲۴ قرآن کریم اور لباس	"
۲۵ نفلی حج اور ملی فرائض، مال فاسد اور عبادات	عوام دلی ۹۰ء جولائی
۲۶ حضرت سیدہ کبریٰ رض	قومی آواز جولائی ۹۰ء
۲۷ دجلہ کے کنارے، بغداد کے سفر کے تاثرات	عوام جون سنہ ۹۰ء
۲۸ اسلامی غلبہ کا یہ مفہوم نہیں کہ کسی کو غلام بنایا جائے	جلسہ استحکام پاکستان کی تقریب میں کی گئی تقریر، مارچ ۸۶ء
۲۹ خدا تعالیٰ کا خاص عطیہ مولانا حفظ الرحمن رح پر مقالہ	مولانا حفظ الرحمن سیمینار، منعقدہ ۵، ۶ اگست ۹۰ء غالب اکیڈمی نئی دلی
۳۰ قنوت نازلہ اور اس کا پس منظر	الجمعیۃ، اگست ۹۰ء

۳۱ عہد علمی اور غیر مسلم، حضرت کشمیری اور حضرت تھانوی کے فقہی اجتہادات	شامل قرآنی بصیرت مولانا آزادؒ
۳۲ حضورؐ کو گوشت سے طبعی رغبت تھی مگر غربت اور زہد مانع تھا	غیر مطبوعہ
۳۳ نہی عن المنکر میں حضورؐ کا تشدد	"
۳۴ خدا تعالیٰ کی محبت اس کی ہدایت کی پیروی ناکام ہے	جلسہ سیرت النبی بیرون فراشخانہ دہلی ۱۹۴۳ء پہلی عوامی تقریر
۳۵ مجھے اپنا مذہب کیوں پیارا ہے،؟	تقریر آریہ سماج دلی کے زیر اہتمام منعقدہ کل مذاہب کانفرنس اکتوبر ۱۹۴۹ء
۳۶ تقریر گرونانک ڈے، اسلام میں توحید	منعقدہ کمپنی باغ دلی ۱۹۵۰ء
۳۷ رسول اکرم ﷺ نے سماجی اور معاشی انصاف قائم کیا	غیر مطبوعہ
۳۸ اخلاص نیت اور حضور قلب، حضرت چراغ دہلوی کی تشریح	"
۳۹ عاجزی اور انکساری، حاصل عبادت	"
۴۰ قرآن کریم کا ظاہری حُسن — حسن تجوید باطنی حسن — اس کا پیغام	"
۴۱ مولانا آزاد اور شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ	"

محاسن موضح قرآن میں مولانا آزاد کے اس مکتوب کا تجزیہ کیا گیا تھا جس میں مولانا نے موضح قرآن پر غیر تحقیقی اعتراضات کیے ہیں۔ اس کے جواب میں عبد اللطیف صاحب اعظمی نے (معترضین ابو الکلام میں) جواب دینے کی کوشش کی — اس کا مزید وضاحتی جواب اس مضمون میں دیا گیا ہے۔

جون ۱۹۵۰ء

۴۲ رسول اکرمؐ کی بھول، شرعی مصلحت، لیلۃ التعریس کا واقعہ	غیر مطبوعہ
۴۳ روحانی معراج، کفارات و درجات کی تعلیم و ترغیب	〃
۴۴ اسلام میں امیر، امارت اور شوریٰ کا نظام	〃
۴۵ نواسہ کی شہادت نانا کے فضائل کی تکمیل سر الشہادتین کے نظریہ کی تردید	〃
۴۶ امت محمدیہ کے درمیان درجاتِ فضیلت	〃
۴۷ اسلام کو عثمان غنیؓ کی بھی ضرورت ہے. فقر کے ساتھ غناء کی اہمیت	〃
۴۸ بنی اسماعیل (قریش) اسلام کی بنیادی قوت	〃
۴۹ فراست ایمانی اور علم غیب میں فرق؟	〃
۵۰ عہد اکبری کے تین مجدد، خواجہ باقی باللہؒ امام ربانیؒ اور شیخ محدثؒ	〃
۵۱ احترام انسانیت، مختصر تقریر	کراچی پاکستان ۶۸۸ غیر مطبوعہ
۵۲ احترام انسانیت، غیر مسلموں کے حقوق پر مکمل تبصرہ	〃
۵۳ اسلام کا پہلا فاتح، دادا پیر ترک بیابانی	〃
۵۴ بدی کا دفاع نیکی سے — آیت قرآنی اِدفَع بالتی کی نادر تفسیر و تشریح	〃
۵۵ اسلام کی تبلیغی قوت، اخلاق حسنہ	〃
۵۶ اسلام میں عزیمت اور رخصت دونوں کی اہمیت	〃
۵۷ دفاع بالسیف کی اہمیت	〃
۵۸ تبلیغ و دعوت میں اتمام حجت	〃

۵۹ اکرام مسلم، ایک بنیادی تحریک	ہفتہ وار الجمعیۃ، فروری ۸۶ء
۶۰ ایران خودکشی کی راہ پر، خمینی ازم کا دوسرا چہرہ (بریلویت) بھی بے نقاب	مشرقی آواز، اگست ۸۸ء
۶۱ علمار حق کی جرات، مسلم حکمرانوں کے مقابلہ میں	غیر مطبوعہ ۸۳ء
۶۲ رمضان المبارک، اسلام کی سیاسی فتوحات کی یادگار	"
۶۳ جنت کا شجر ممنوعہ اور مدیر تکبیر کراچی	حکمت قرآن لاہور ۸۷ء
۶۴ حضرت عمر مراد، حضرت علی مرید اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ مراد بھی اور مرید بھی	غیر مطبوعہ
۶۵ شخصی حکومت کا اسلام میں کوئی تصور نہیں مولانا تھانوی کی ترجیہات پر ایک نظر	غیر مطبوعہ، عورت کی حکمرانی کے سلسلے میں
۶۶ امت مسلمہ کا نصب العین، جہاد زندگی۔ وجاھدوا فی سبیل اللہ کی تشریح	غیر مطبوعہ "
۶۷ اسلامی حکومت میں قضار و اجتہاد	"
۶۸ رحمت عالم کا عالم گیر اخلاقی پیغام	تقریر اجلاس، مدراس ۲۶ مارچ ۸۹ء
۶۹ اسلام کا نظام شہادت	غیر مطبوعہ
۷۰ ایک مجاہد عبد اللہ ابن مبارک کا خط ایک درویش فضیل ابن عیاض کے نام	"
۷۱ حضرت سید حسن رسول نما رحمۃ اللہ علیہ	"
۷۲ علمار امتی کا شرعی مفہوم	"
۷۳ بعض ازواج مطہرات پر خفگی، طلاق رجعی کا واقعہ	"
۷۴ چنگیز خاں کا اسلام سے انکار، قومی غرور کا فتنہ تھا۔	قومی آواز ۴؍۷۴ء

(۵ اگست ۹۰ء)

مفسر قرآن

حضرت مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی

کی گراں قدر

تصنیفات و تالیفات

اور

اصلاحی اور تاریخی مضامین

کا

تعارف و تبصرہ

(انجمن نوجوانان بان کوٹ، مہاراشٹر نے شائع کیا)

ملنے کا پتہ: مکتبہ رحمت عالم کالرسن لال کنواں دہلی ۶

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

• حفظ قرآن سنہ ۱۹۳۰ء	قاری فضل الدین صاحب مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی حافظ ضیاء الدین صاحب سادہ کار لال کنواں دہلی
• عربی تعلیم تا جلالین شریف ۳۴ء تا ۳۹ء	مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی
• تکمیل مشکوٰۃ شریف و بیضاوی شریف تا دورۂ حدیث شریف ۴۰ء تا ۴۱ء	دار العلوم دیوبند، شیخ الحدیث مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ مہتمم و استاذ حدیث مولانا محمد طیب صاحبؒ
• دورۂ تفسیر قرآن ۴۲ء	مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ انجمن خدام الدین لاہور رفیقِ کار: مولانا عبید اللہ سندھیؒ
• تربیت ترجمہ و تفسیر قرآن ۴۲ء دوران تصنیف تفسیر کشف الرحمٰن	سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحبؒ مصنف تفسیر کشف الرحمٰن
• آغاز درس تفسیر صباحی ۴۲ء	لال مسجد لال کنواں دہلی، بافتتاح مولانا احمد سعید صاحبؒ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانویؒ مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ
• دلی ایڈمنسٹریشن کی طرف سے "فرقہ پرستی کی آگ" نامی کتابچوں پر دفعہ ۱۵۳، الف کے چار مقدمات قائم کیے گئے جو (۶۸ء تا ۱۹۸۰ء) بارہ سال تک چلتے رہے	
• آغاز درسِ تفسیر شبینہ ۴۲ء	کھجور والی مسجد تراہا بہرام خاں، بافتتاح مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ و مولانا عبد الحنان صاحب ہزارویؒ آسودۂ رحمت احاطہ مولانا سید احمد صاحب بریلوی بالاکوٹ
• سلسلہ وعظ و خطابت ۴۵ء تدریس و تعلیم حدیث و تفسیر مدرسہ حسین بخش دہلی	مدرسہ حسین بخش دہلی (بعد از مولانا عبد الشکور صاحب دیوبندیؒ مہاجر مدنی)
• صدارت جمعیۃ علماء صوبہ دہلی ۴۶ء	
• نظامت جمعیۃ علماء ہند ۵۰ء	
• درس تفسیر و اہتمام جامعہ رحیمیہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ۸۲ء تا ۸۶ء	بہدایت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ
• درس تفسیر ہفتہ وار نومبر ۸۹ء	مسجد سید رفاعی چتلی قبر دہلی
• تصنیفات و تالیفات	علمی تاریخی اور تفسیری کتابیں تعداد ۲۵ تبلیغی کتابچے " ۲۵ تحقیقی مقالات " ۴۵

تاثرات حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ

قدرت نے مولانا اخلاق حسین قاسمی کو تقریر و خطابت کے ساتھ تحریر و انشاء کی بھرپور صلاحیت سے بھی پوری طرح نوازا ہے، موصوف علمی تحقیق اور واعظانہ رنگ دونوں میدانوں کے شہسوار ہیں،

محمد طیب غفرلہٗ مہتمم دارالعلوم

۱۳ر نومبر ۱۹۸۹ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآنِ پاک سے میرا تعلق

یہ صرف قرآنِ کریم کا کھلا معجزہ ہے کہ راقم کو عربی تعلیم حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ نہ میرا ماحول مولویانہ تھا اور نہ میرے خاندان میں کسی نے عربی تعلیم حاصل کی تھی۔ البتہ میرے ایک دادا حافظ صدرالدین[1] صاحب مرحوم ریاست مالیر کوٹلہ میں نواب صاحب کے مصاحبین میں شامل تھے اور ان کا مشغلہ ریاست میں صرف یہ تھا کہ اچھے اچھے حفاظ کو جمع کر کے ان کی حوصلہ افزائی کریں اور ریاست میں قرآن کریم کی تعلیم کو فروغ دیں۔

میرے والد شرف الدین[2] صاحب مرحوم کو اپنے تایا حافظ صاحب کے پاس کچھ دنوں قیام کا موقعہ ملا اور اس ماحول کا ان پر بڑا اثر پڑا اور وہیں سے یہ شوق ان کے دل میں پیدا ہوا کہ میں اپنے بچے کو قرآن حفظ کراؤں گا اور اسے مولوی بناؤں گا۔

حافظ صدرالدین صاحب کے ایک بھائی محمد ابراہیم خاں سرکاری ملازم

---

[1] حافظ صاحب کا مزار مالیر کوٹلہ میں حضرت شیخ صدرالدین کی درگاہ کے احاطہ میں واقع ہے جو حضرت امام ربانی رحمہ اللہ کے معاصر تھے۔

[2] شرف الدین صاحب میرے حقیقی والد عنایت حسین صاحب مرحوم کے ماموں تھے۔ لاولد ہونے کی وجہ سے انہوں نے مجھے گود لے لیا اور اولاد سے زیادہ محبت و شفقت کے ساتھ مجھے پالا پوسا اور پروان چڑھایا۔

تھے۔ جنہوں نے ملازمت سے ریٹائر ہوکر بڑھاپے میں عربی تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور ایک طالبعلم کی طرح مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگے۔

والد صاحب اپنے چچا ابا کے تعلیمی دور کے بڑے عجیب عجیب واقعات سنایا کرتے تھے۔ سارا خاندان حنفی المسلک تھا۔ ابراہیم خاں صاحب مرحوم اپنے استاد حضرت میاں صاحب کے مسلک سے متاثر ہو گئے تھے اور آمین و رفع یدین کرنے لگے تھے وہ دوران اختلافی مسائل کے لیے بڑا ہنگامی تھا۔ لوگ ان کے پیچھے پڑتے اور یہ بخاری شریف کھول کر ان کو سمجھاتے۔

بخاری شریف کپڑے میں بندھی ان کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ والد نے دینی شغف کا ایک رنگ یہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اسی ماحول کے زیر اثر میرے مشفق مربی شرف الدین صاحب مرحوم نے مجھے سب سے پہلے قرآن شریف کی تعلیم پر لگایا۔

چنانچہ راقم نے دہلی کے مشہور سادہ کار حافظ ضیاء الدین صاحب مرحوم سے قرآن شریف کی تعلیم شروع کی۔ حافظ صاحب لاہوری برادری کے بڑے صاحب کردار اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔

پھر حفظ قرآن کی تکمیل کے لیے راقم کو قاری فضل الدینؒ صاحب مدرس مدرسہ فتحپوری کی خدمت میں پہنچا دیا گیا۔ قاری صاحب بڑے بابرکت بزرگ تھے۔ دہلی میں ان کے فیض یافتگان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔

اس کے بعد مجھے مدرسہ عالیہ میں داخل کر دیا گیا۔ جہاں میں نے چھ سال درس نظامی کی کتابیں مختلف قابل استادوں سے پڑھیں۔

یہ ۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۹ء کا دور تھا جس میں دہلی کے اندر ترجمہ قرآن کی بڑی

بڑی مجلسیں قائم تھیں۔ اور دِلی کے دینی مدارس ہندوستان کے مشہور اکابر علم کی سرپرستی اور ان کے علمی فیض سے جاری تھے۔

اور اس وقت دِلی کو یہ حق حاصل تھا کہ اسے شاہ ولی اللہؒ شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادرؒ صاحب کی دِلّی کہا جائے۔

ترجمہ قرآن کی صباحی مجلسوں کے لحاظ سے بھی دلی کو ہندوستان کے دوسرے حصوں پر تفوق حاصل رہا ہے۔ یہاں کے مسلمانوں میں وعظ و ترجمہ کی محفلوں میں شریک ہونے کا شوق شروع ہی سے تھا۔

راقم بھی اپنے نانا سید نواب علی جوہری کے ساتھ ان مجلسوں میں شریک ہوتا تھا دِلی کے اس ماحول میں مدرسہ عالیہ فتحپوری کے اندر چھ سال پورے کرنے کے بعد یہ فقیر پھر دارالعلوم دیوبند چلا گیا۔

اس وقت دارالعلوم دیوبند کی سب سے بڑی شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہُ اللہ تعالیٰ کی تھی جو دارالعلوم کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے۔

دارالعلوم کے دو سالہ قیام میں آخری سال دورۂ حدیث کا تھا جس میں دوسرے اکابر کے علاوہ حضرت مدنیؒ سے راقم نے خصوصی استفادہ کیا۔

ولی اللّٰہی علوم اور علمائے دیوبند

علمائے دیوبند ولی اللّٰہی علوم کے صحیح وارث و امین ہیں۔ ان حضرات نے ولی اللّٰہی علوم کو زندہ رکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ صاحب محدث دہلوی کے ترجمہ اور تفسیری فوائد بھی

ہمیشہ ان حضرات کی تحقیق اور غور و خوض کا موضوع رہے ہیں اور ان حضرات نے برابر اپنے تلامذہ اور متوسلین کو اس کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا ہے۔

دورۂ حدیث کے سال چند روز کے لیے دارالحدیث میں حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ عثمانی نے تفسیر قرآن کریم کا سلسلہ شروع کیا تھا اور دورۂ حدیث کی مصروفیت کے باوجود راقم اور مولانا سید انظار الدین صاحب دہلوی جو میرے رفیق تھے اس بیان میں شریک ہوتے تھے۔

حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند مغرب کے بعد مشکوٰۃ شریف کا درس دیتے تھے اس میں بھی ہم لوگ شریک ہوتے تھے۔

اور ان حضرات کے درس و بیان سے جو خاص چیز ملتی تھی وہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اجتہادی علوم کی چاشنی تھی۔

مولٰنا احمد علی صاحبؒ لاہوری سے استفادہ

مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ برصغیر کے مشہور عالم دین، مجاہد جلیل اور شیخ طریقت تھے۔ مولانا نے عربی مدارس کے طلبہ کے لیے ترجمہ اور تفسیر کی تعلیم کا مختصر پروگرام بنا رکھا تھا۔ جس میں طلبہ کے اندر قرآن کریم کو سمجھنے اور پھر دوسروں کو سمجھانے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی۔

دیوبند سے فارغ ہو کر راقم بھی اپنے دہلوی رفیق مولانا انظار الدین صاحب کے ساتھ مولانا کی خدمت میں پہنچا اور اس وقت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ترجمہ اور فوائد باقاعدہ راقم کے غور و فکر کا موضوع بنے۔ یہ واقعہ ۱۹۴۱ء کا ہے۔

حضرت لاہوری بھی خاندان ولی اللہی کے اجتہادی علوم پر بڑا عبور رکھتے

تھے۔ رشتہ میں مولانا لاہوری حضرت مولانا عبیداللہ صاحبؒ سندھی کے داماد تھے اور مولانا سندھیؒ شاہ ولی اللہؒ کے سب سے بڑے داعی اور شارح تھے۔

مولانا احمد علی صاحبؒ نے اپنے مختصر حواشی کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کا موضح قرآن مع فوائد کے بڑے اہتمام وصحت کے ساتھ شائع بھی کیا تھا (بعد کے ایڈیشنوں میں مولانا نے اپنا مستقل ترجمہ شامل کر دیا۔

لاہور سے واپس آکر راقم کو دہلیؒ میں حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی سے ترجمہ اور تفسیر میں استفادہ کا موقعہ ملا۔

مولانا مرحوم نے اردو میں ترجمہ لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ اور راقم کی درخواست پر اس کام میں شرکت کی اجازت مرحمت فرمادی۔

مولانا ۱۹۴۲ء کی تحریک میں گرفتار ہو گئے اور ترجمہ کا کام موقوف ہو گیا۔ دہلی واپس آکر راقم نے صباحی ترجمہ بھی شروع کر دیا تھا۔ اور قرآن کریم پر غور و فکر کا جو طریقہ اور انداز اپنے ان بزرگوں سے سیکھا تھا اسی کے مطابق یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس سلسلہ[1] کو آج ۲۵ سال ہو رہے ہیں۔

اس عرصہ میں راقم کے سامنے دوسری تفاسیر کے ساتھ خاص طور پر حضرت شاہ صاحب کا ترجمہ اور تشریحی فوائد رہے اور اس مطالعہ اور غور و خوض میں راقم نے

---

[1] راقم نے مسجد نواب قاسم جان (گلی قاسم جان) مسجد کوچہ استاد داغ چاندنی چوک لال مسجد لال کنواں، مسجد نواب دوجانہ مٹیا محل میں صباحی اور شبانہ مجالس میں درس قرآن دیا اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب (دیوبندیؒ) کے تشریف لے جانے کے بعد سے مدرسہ حسین بخش جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ یہ سلسلہ الحمدللہ اس وقت تک جاری ہے۔

دو باتیں شدت سے محسوس کیں۔

(۱) ناشرین قرآن کی بے پرواہی سے شاہ صاحب کا ترجمہ اور فوائد میں برابر اغلاط داخل ہوتی جارہی ہیں۔ اگر ناشرین کا یہ طریقہ جاری رہا اور اہل علم نے اس بیش بہا تفسیری ذخیرہ کو ان تجارت پیشہ لوگوں کے رحم و کرم پر رکھا تو آگے چل کر یہ ترجمہ مشکوک و مشتبہ ہو جائے گا اور پھر اہل علم اسے متروک قرار دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔

اس لیے ضروری ہے کہ شاہ صاحب کے ترجمہ کی تصحیح کی جائے اور مختلف قدیم نسخوں کو سامنے رکھ کر صحیح ترجمہ مرتب کیا جائے اور اس کی اشاعت ہو۔

(۲) ترجمہ اور فوائد میں جو تفسیری محاسن اور بلاغت و معانی کے جو لطائف پوشیدہ ہیں ان کی تشریح کی جائے تاکہ تفسیر قرآن سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اور ولی اللٰہی علوم کے دلدادہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

اور یہ وہ کام ہوگا جس کی طرف حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے مقدمہ میں اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے اپنے حواشی میں اشارہ کیا ہے اور علمائے تفسیر کو اس طرف دعوت دی ہے۔

راہ کی مشکلات

راقم خدا کے فضل و کرم سے جب یہ کام کرنے بیٹھا تو اس راہ میں غیر متوقع مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ولی اللٰہی بزرگوں اور خاص طور پر حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی روحانی توجہ نے راستے کی تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا۔ اور خدا تعالےٰ نے اپنے اس کام کو راقم پر آسان فرما دیا۔

مستند موضحِ قرآن اور محاسن موضحِ قرآن کے بارے میں

اکابر علماء کے گرامی قدر تاثرات

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے تاثرات اور دعائیں

۱۵ ر شعبان المعظم ۱۳۹۷ھ کو راقم حضرت شیخ مدظلہٗ کی خدمت میں سہارنپور حاضر ہوا اور موضحِ قرآن کے سلسلہ میں حضرت کی خدمت میں اپنا کام پیش کیا۔ اور محاسن موضحِ قرآن کے بعض تحقیقی مقامات حضرت کو پڑھ کر سنائے۔ حضرت نے بڑی حیرت سے موضحِ قرآن میں داخل ہونے والی نقل وکتابت کی غلطیوں اور ان کی تصحیح کو سماعت فرمایا۔ اور اس بندۂ ناچیز کی تحقیق اور تصحیح سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا "یہ تو بہت ضروری کام تھا جو تم نے کیا۔ خدا تعالیٰ قبول فرمائے۔ اور اہلِ خیر مسلمانوں کو اس دینی کام میں تمہارے ساتھ تعاون کی توفیق عطا فرمائے۔

(اخلاق حسین قاسمی)

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رئیس دارالعلوم دیوبند کے گرامی قدر تاثرات

نحمدہٗ ونصلی

مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی فاضلِ دیوبند نے تفسیری سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور زمانہ ترجمہ کی وضاحت اور تاجرانہ انداز پر چھپے ہوئے تراجم کی اغلاط کی اصلاح کے لیے انتہائی دلچسپی عرق ریزی اور کاوش کے ساتھ یہ کام بطور ایک مہم کے انجام دیا ہے۔ اور اس ترجمہ کے راستہ سے درحقیقت قرآنِ حکیم کی عظیم خدمت انجام دی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ یوم آغاز سے اب تک تسلسل کے

ساتھ بلا انقطاع مقبولیت کی اعلیٰ سطح پر پہونچا ہوا ہے جسمیں خاندانِ ولی اللہی کے فکر کی جھلکیاں غلبہ کے ساتھ صاف طور پر نمایاں ہیں۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی کی اِس کاوش اور عرق ریزی کو جو انہوں نے اس ترجمہ کے حلِ مشکلات اور توضیحِ متعلقات کے سلسلہ میں کی ہے احقر کے نزدیک شیخ الہند رحؒ کے نقشِ قدم کی پیروی ہے جو انشاء اللہ مقبولیت پر مقبولیت کا نشان ہے اور انشاء اللہ ایک عظیم خدمت ہونے کے ساتھ ساتھ اقتفار آثارِ سلف کی وجہ سے دوگنا مقبولیت کا ضامن ہے، مولانا قاسمی نے اپنی اس کاوش کو اردو زبان کی تدریجی ترقی کی تاریخ اور فقہ اللغت کے اصول پر بہترین انداز میں واضح فرمایا ہے اور محققانہ طریقہ پر شاہ صاحب کی قابلِ قدر مدافعت بھی فرمائی ہے جو ہم سب خدامِ شاہ صاحبؒ کا فریضہ تھا جسے مولانا موصوف نے پورے حلقہ کی طرف سے بطور فرضِ کفایہ ادا کیا ہے۔ پھر مستند موضحِ قرآن کی طباعت وکتابت کا نمونہ بھی دیدہ زیب اور دلکش ہے جس سے اس ترجمہ کے ظاہر و باطن کی عظمت نورٌ علیٰ نور ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے اور قرآنی خدمت کے صلہ میں انہیں اپنے سے وابستہ فرمائے۔ جبکہ قرآن بنصِ حدیث باطنِ حق سے نکلا ہوا ہے۔ جس کا تعلق بھی باطنِ خداوندی سے ہے۔ جیساکہ ارشادِ نبوی ہے۔

تبرك بالقران فانه كلام الله وخرج منه — قرآن سے برکت حاصل کرو، وہ اللہ کا کلام ہے اور اس سے نکلا ہے۔

اس لئے اُس کا خادم بھی امید ہے کہ باطنِ حق سے ہی وابستہ ہوگا۔

تمنا ہے کہ اس قرآنی خدمت کی وجہ سے آخرت میں جب مولانا کی آؤ بھگت ہو تو ہم گنہ گاروں کو بھی یاد رکھیں۔

محمد طیب رئیس دار العلوم دیوبند

۲۹ / ۱۲ / ۹۹ ھ

ادارہ رحمتِ عالم ؐ

ایک تبلیغی اور علمی ادارہ

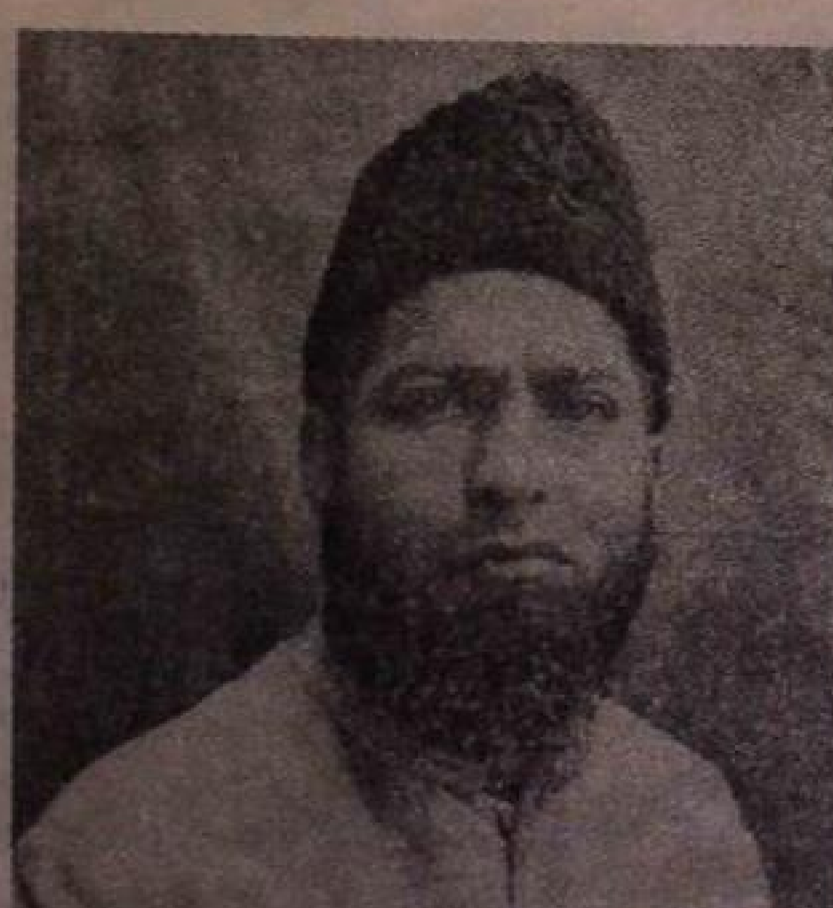
سنہ ۱۹۵ء کے حالات نہایت پُر آشوب تھے۔ مسلمانوں کو جسمانی اور معاشی تکلیفیں پہنچانے کی غرض سے فرقہ پرستوں نے ملک کے مختلف حصوں میں فرقہ وارانہ ہنگاموں کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ اور ذہنی و روحانی اذیت میں مبتلا کرنے کے لئے فرقہ پرست اخبارات مدرانڈیا، پرتاپ، ہندو جالندھر، آرگنائزر وغیرہ نے مذہبی دِل آزاری کی مہم چلا رکھی تھی۔

اس محاذ پر ایک طرف مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی نے مسلم آزار پروپیگنڈہ کا جواب دیا اور چند پمفلٹ۔ اردو، ہندی اور انگلش کے "فرقہ پرستی کی آگ" کے نام سے شائع کئے اور حکومت کو اس پروپیگنڈہ کے نمونہ اور دل آزار تصاویر سے آگاہ کیا۔ جن پر حکومت نے مولانا کے خلاف فرقہ پرستی پھیلانے کا الٹا الزام لگا کر چار مقدمات میں ماخوذ کر لیا جو دس برس تک چلتے رہے۔

تعمیری طور پر مولانا نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے بارے میں پھیلائے جانے والے پروپیگنڈہ کا مثبت جواب دیا۔ اور اسلام کی اتحاد پرور اخلاقی تعلیمات پر اردو، ہندی اور انگلش میں چھوٹے چھوٹے کتابچے چھاپ کر عوام میں مفت تقسیم کرنے کا پروگرام شروع کیا۔

اب تک ہزاروں کی تعداد میں جو پمفلٹ ہندو اور مسلمان حلقوں میں پھیلائے گئے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) قومی اتحاد اردو (۲) قومی ایکتا ہندی (۳) اتحاد کے اسلامی اصول انگلش۔ از مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند (۴) انقلابی دعوت۔ از مولانا حفظ الرحمن صاحبؒ (۵) اسلام کا عادلانہ نظام۔ از مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ (۶) ہم اور ہمارے حکمراں۔ از مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ (۷) حج کا آسان طریقہ (۸) پانچ اسلامی پیشین گوئیاں (۹) اسلامی عقائد ہندی اردو (۱۰) قرآنِ کریم کی چھوٹی صورتوں کا ہندی ترجمہ (۱۱) آسان دعائیں (۱۲) سیرت چارٹ بڑے سائز کا رنگین (۱۳) جنگِ آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں کا جائزہ (۱۴) رحمتِ عالم گھر والوں کے ساتھ۔



کیا سیکولرازم سورہا ہے؟

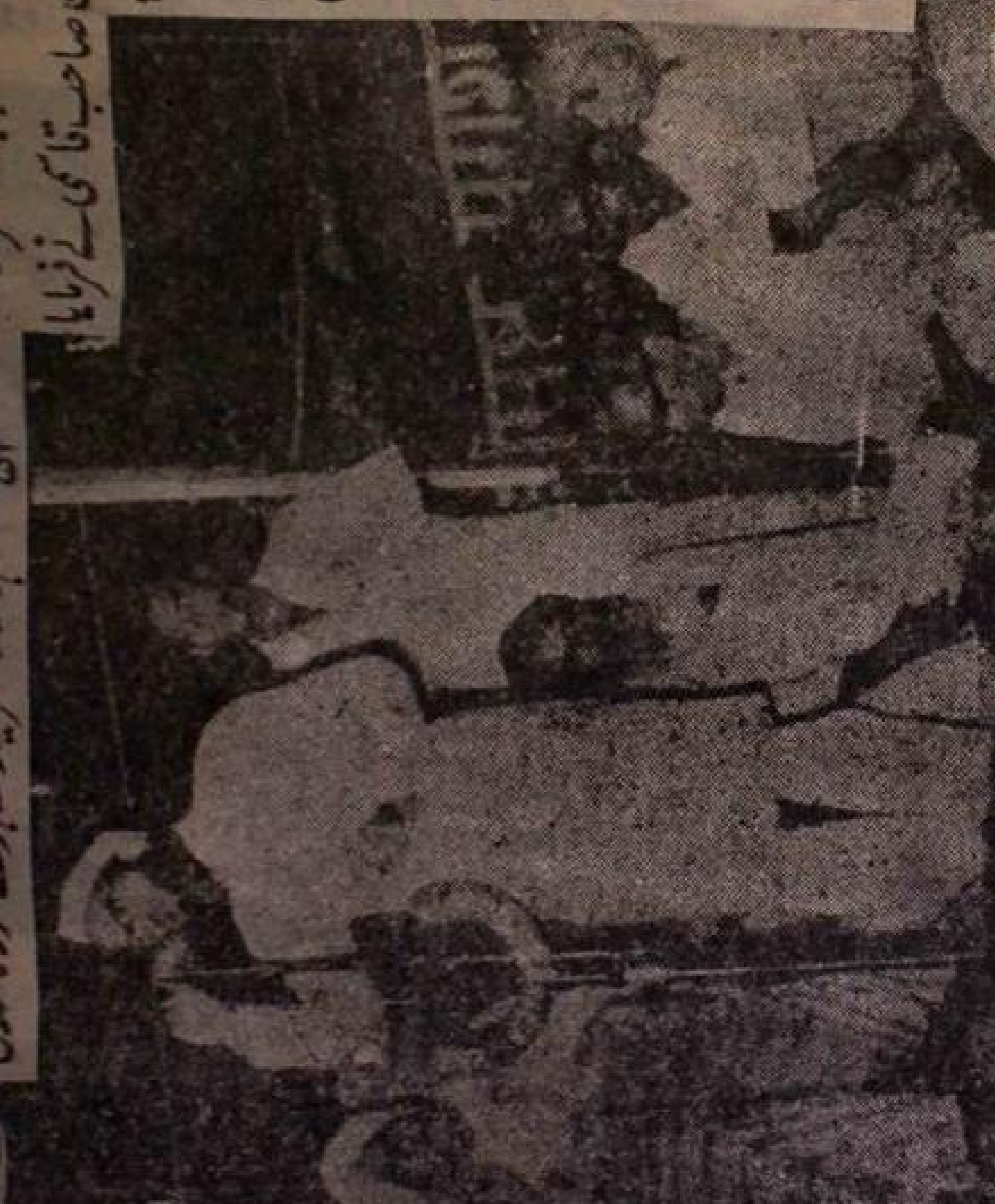
میں نے ظلم کے خلاف آواز اٹھائی تو مجھ پر دفعہ ۱۵۳، الف کے چار مقدمات قائم کردیئے گئے اور مجھے ۱۲سال تک عدالتوں میں پریشان کیا گیا، کیونکہ میں اخلاق حسین ہوں ——— اور آج ۳۷ برس ہورہے ہیں ——— اسلام اور مسلمانوں کی دل آزاری اور توہین کرنے والوں کو کھلی آزادی حاصل ہے۔ کیونکہ وہ اس ملک کے راج کمار ہیں ؟



آریہ سماج کا لٹریچر مسلمانوں اور عیسائیوں کے خلاف زہر پھیلاتا ہے، ہندو نوجوانوں میں آج جو مسلم نفرت نظر آرہی ہے اس کا سہرا ستیارتھ پرکاش کے سر ہے، اسی لیے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ستیارتھ پرکاش فرقہ پرستی کی انسائیکلوپیڈیا ہے، آریہ سماج کے ممتاز لیڈروں نے آزادی کی لڑائی میں حصہ لیا ہے اس لئے ان کا فرض ہے کہ قومی یکجہتی کی خاطر وہ اینٹی اسلام پروپیگنڈہ کو بند کردیں۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی کی تقریر

کل مذاہب کانفرنس منعقدہ ۱۵ $\frac{11}{53}$ دہلی میں تقریر کرتے ہوئے مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی نے فرمایا

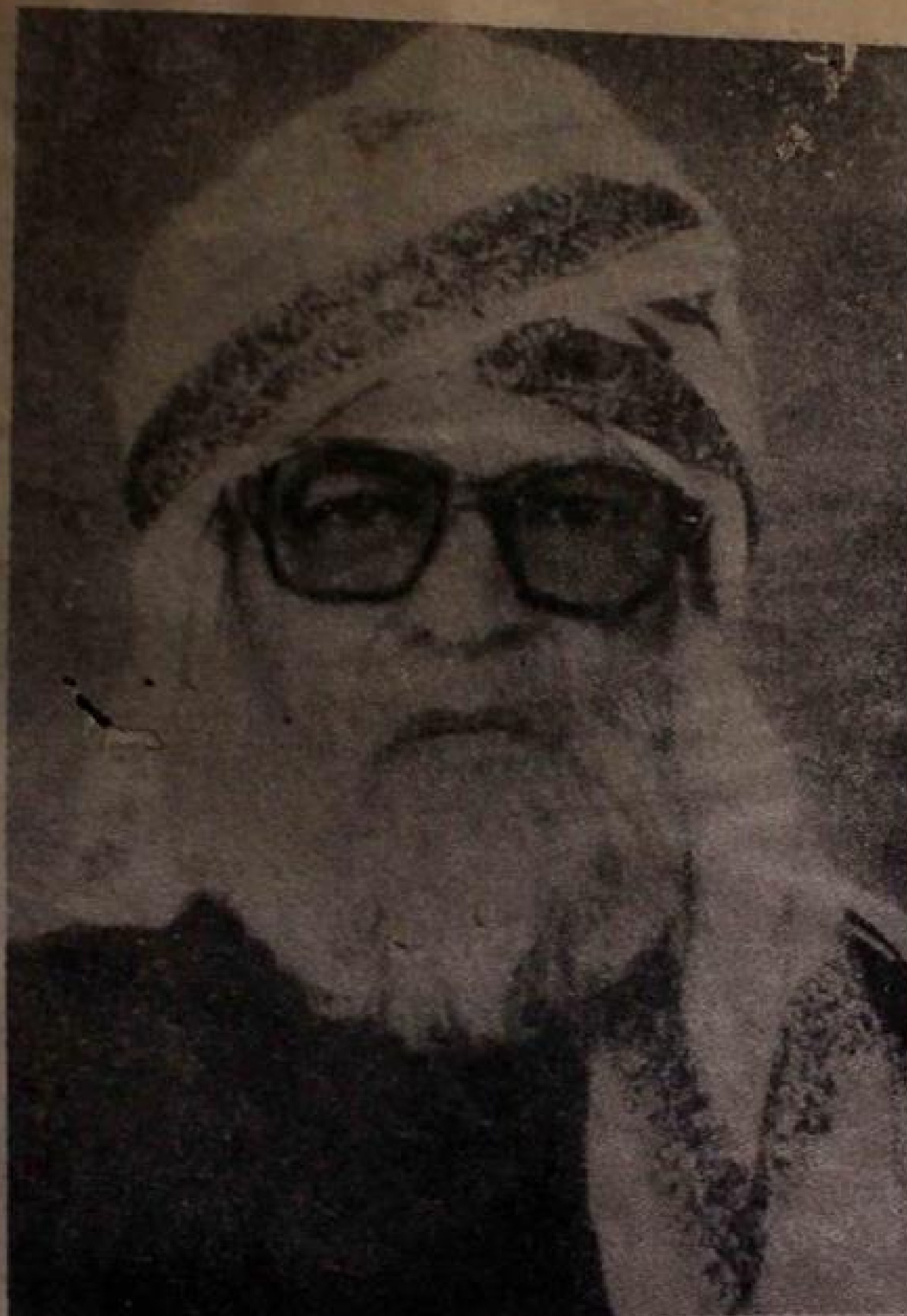


(شائع شدہ روزنامہ 'ملاپ' دہلی)

آریہ سماج تلک نگر نئی دہلی کے سالانہ جلسہ کے موقع پر سرو دھرم سمیلن ہوا جس کی صدارت شاستر ارتھ مہارتھی پنڈت رام چند دہلوی نے کی۔ مسلمانوں کی طرف سے مولانا اخلاق حسین تقریر کر رہے ہیں اور سکھوں کی طرف سے بولنے والے گیانی بادل سنگھ اور سناتن دھرم کی طرف سے پنڈت نرنجن دیو شاستری بیٹھے ہیں۔


ں رسالت کی توہین کرنے
اگست ۱۹۵۳ء دلی میں
میں مفتی کفایت اللہ رح
لاق حسین صاحب قاسمی
ریف
پرامرت بازار پتریکا کیخلاف
منعقدہ احتجاجی جلسہ
مولانا احمد سعید رح اور مولانا
اور گورمکھ سنگھ مسافر اسٹیج
فرما ہیں


اگر جمہوری قدروں پر یقین رکھنے کا دعویٰ کرنے والے مسلم اقلیت کے ساتھ ہونیوالی
زیادتیوں اور فسادات کو ختم کرانے کے لئے میدان میں نہ نکلے تو ملک کی آزادی خواب و
خیال بن کر رہ جائیگی۔ اور اس کی ذمہ داری سب سے زیادہ سیکولر لیڈروں پر ہوگی۔
خطبۂ صدارت حضرت مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی اجلاس عام جمعیۃ علماء
صوبہ دہلی منعقدہ ۱۸، ۱۹ نومبر



مولانا اخلاق حسین قاسمی

مُصنّف (۱) مستند موضح قرآن (۲) محاسن موضح قرآن شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ (۳) مولانا آزا
قرآنی بصیرت (۴) قصص القرآن مولانا ابوالکلام آزاد (۵) انقلابی سیرت (۶) اخلاق رسولؐ (۷) مولانا اش
اوران کے ناقد (۸) بریلوی ترجمۂ قرآن کا علمی تجزیہ (۹) شاہ ولی اللہ اوران کا نسبی اور فکری خاندان (۱۰
معاشرہ پر عورت کا احسان (۱۱) مودودی صاحب کی تفسیر پر ایک نظر (۱۲) قرآنی تشریحات (تنقیدی مقالات
(۱۳) اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق (۱۴) رحمتِ عالمؐ گھر والوں کے ساتھ (۱۵) دارالعلوم دیوبند کا دینی اور س
موقف (۱۶) مختصر تاریخِ ملت (۱۷) فرقہ پرستی کی آگ (۱۸) اسلام کیا کہتا ہے؟ (بعض اہم تقاریر کا مجموعہ)
کاروانِ ہدایت مجموعہ مقالات (جو اہم اجتماعات میں پڑھے گئے۔ زیر طباعت) (۲۰) ماہنامہ نظام ملت ۱۹۶۶ء

ریعت کا تحفظ ہر قیمت پر کیا جائیگا

امیر الہند نہیں امیر المومنین

ری ملت کا اجتماع اگر امیر پر نہ ہو
تو وہ ملت کی مزید تباہی ہے۔



نوجوانانِ اسلام، جامع مسجد دہلی